

رسولِ مکرم ﷺ سے یہود و نصاریٰ کی عداوت اتفاقی نہیں ہے، اور نہ یہ بات ہے کہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی شان میں جو گستاخیاں کرتے چلے آ رہے ہیں وہ لاعلمی، جہالت یا کسی غلط فہمی پر مبنی ہیں۔ بلکہ یہ ان کی سوچی سمجھی سازشیں ہیں جو رونما ہوتی رہتی ہیں۔ اُن کے دل گواہی دیتے ہیں کہ ہماری کتابوں میں جس آخری پیغمبر کی اور نجات دہندہ کی جو پیش گویاں کی گئی ہیں اُن کا مصداق سوائے محمد (رسول اللہ ﷺ) کے اور کوئی نہیں ہے۔ یہ محض اُن کی ہٹ دھرمی ہے کہ آپ ﷺ پر ایمان لاتے۔

﴿الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ﴾
 ”اور جنہیں ہم نے (پہلے) کتاب دی تھی وہ اس (پیغمبر ﷺ) کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنی اولادوں کو۔“ [البقرة ۲: ۱۴۶]

اشرف ترین خصوصیتِ اسلام اور برہانِ نبوت ۵

نبوت ایک دعویٰ ہے، جس کی دلیل نبی کی زندگی کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ دلیل کے لیے ضروری ہے کہ اس کا نتیجہ براہِ راست مخاطب کو تسلیم دعویٰ پر مجبور کرے۔ ایک شخص دنیا میں ظاہر ہو کر دعویٰ کرتا ہے کہ وہ ہدایت و ارشاد کی ایک قوتِ الہی لے کر آیا ہے، اور باوجودیکہ وہ اُسی قوم اور سوسائٹی کا ایک فرد ہے، تاہم اس کے اندر ایک قوت ہے جس کے ذریعہ وہ انسانوں کے اعمال و معتقدات کی صف الٹ دے گا اور ایک بہت بڑی تبدیلی پیدا کر دے گا، پس ضروری ہے کہ وہ اس تبدیلی کا اولین نمونہ خود اپنی زندگی کو ثابت کرے۔ وہ اپنی زندگی کی کتاب سب کے سامنے کھول دے اور اس کا کوئی صفحہ انظارِ عالم سے مخفی نہ ہو۔ اس کی زندگی ویسی ہی ہو، جیسی ہر انسان کی ہوتی ہے، تاہم اس کے اندر نفس و جذبات کی تبدیلی کے وہ مظاہر ہوں، جن کے حاصل کرنے سے انسان کی تمام ملکوتی قوتیں عاجز آ جاتی ہیں، اور جن کو دنیا میں پیدا کر دینے کا وہ مدعی ہے۔ وہ ثابت کرے کہ جس نفس کے تسلط سے آزاد کرانے کے لیے وہ آیا ہے، اس سے خود بھی آزاد ہے۔ وہ خباثتِ اخلاقی، جن کے قہار و جبار لشکر کو شکست دینے کا وہ مدعی ہے، اس کو خود بھی شکست دے چکا ہے۔ اس نے اپنے اخلاق و خصائل میں صفاتِ الہیہ کا ایک مظہر قدسی پیدا کر لیا ہے، اور وہ باوجود پورے انسان ہونے کے پھر بھی اپنے اعمال کے اندر عام سطحِ انسانیت سے بالاتر ایک جلوہ حق رکھتا ہے۔ مختصر یہ کہ وہ تو اے فطریہ انسانیت کے جس صحتِ استعمال کا مدعی ہے، خود اس کی زندگی بھی اس کی شہادت دیتی ہے۔

پس فی الحقیقت نبی کے لیے دلیلِ حقیقی خود نبی کی زندگی کے اندر ہے، نہ کہ اس سے باہر۔ نبی کی سچائی کے لیے سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ اس کی زندگی میں کوئی راز نہ ہو، اس کی زندگی آفتاب کی طرح برہنہ ہو مگر دھبے سے پاک ہو۔ وہ جزئیات جن کو تم نظر انداز کر دیتے ہو، دراصل انسانیت کے کلیات کا اصلی سرچشمہ ہیں۔ ایک شخص درود پوار اور شجر و سنگ سے اپنی صداقت کی گواہی دلا سکتا ہے، مگر دشمن پر قابو پا کر اس سے درگزر نہیں کر سکتا۔ ممکن ہے کہ ایک شخص آگ میں کود کر زندہ و سلامت نکل آئے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ غیظ و غضب کی جب ایک خفیف سے چنگاری بھی اس کے دامنِ حلم پر لگی تھی، تو اس کا کیا حال تھا؟ مولانا روم نے اس نکتے کو لکھا ہے:

روؤ آوازِ پیہر معجزہ ست!

پیہر کی آواز اور چہرہ، خود معجزہ ہے، اور معجزات ہوں یا نہ ہوں۔

(مولانا ابوالکلام آزادؒ)

فہرست

1		جواہر پارے
2	(مولانا ابوالکلام آزاد)	کلمہ طیبہ
5	(محمد سلیم چنیوٹی)	اداریہ
7	(ماخوذ از: مولانا عبدالسلام)	اخذ واقتباس
11	(مولانا عمر فاروق السعدی)	اخذ واقتباس
14	(مولانا ارشاد الحق اثری)	تحقیق و تنقید
18	(مولانا محمد ارشد کمال)	مضامین و مقالات
27	(مولانا بابر اللہ مصمام)	مضامین و مقالات
31	(حافظ سلیمان اولکھ)	تہذیب و تمدن
33		فہرست کتب
35		شعر و ادب

ایک نوجوان کے نام

خَلَقَكُمْ (خَلَقَ + كُمْ)	مِنْ	نَفْسٍ	وَاحِدَةٍ	ثُمَّ	جَعَلَ	مِنْهَا (مِنْ + هَا)	زَوْجَهَا (زَوْجَ + هَا)	وَ
اُس نے پیدا + تمہیں	سے	جان	ایک	پھر	اُس نے بنایا	سے + اُس	جوڑا + اُس کا	اور
أَنْزَلَ	لَكُمْ (لَ + كُمْ)	مِنْ	الْأَنْعَامِ	ثَمِينَةً	أَزْوَاجَ ط	يَخْلُقُكُمْ (يَخْلُقُ + كُمْ)	فِي	بُطُونِ
اُس نے اتارا	واسطے + تمہارے	سے	چوپائے	آٹھ	جوڑے	وہ پیدا کرتا ہے + تمہیں	میں	پیٹ
أَمْهَاتِكُمْ (أُمَّهَاتِ + كُمْ)	خَلَقًا	مِنْ م	بَعْدَ	خَلَقِ	فِي	ظَلُمْتَ	ثَلَاثَ ط	ذَلِكُمْ
مائیں + تمہاری	پیدا کرنا	سے	بعد	پیدا کرنا	میں	اندھیرے	تین	یہ
رَبُّكُمْ (رَبُّ + كُمْ)	لَهُ (لَ + هُ)	الْمَلِكُ	لَا	إِلَهَ	إِلَّا هُوَ	فَأَنَّى (فَ + أَنَّى)	تُصَرِّفُونَ ①	
پروردگار + تمہارا	واسطے + اُس کے	ساری بادشاہت	نہیں	معبود	مگر وہ	پس + کہاں	تم پھیرے جاتے ہو۔	

”اُس نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا کیا پھر اُسی میں سے اُس کا جوڑا بنایا اور اُس نے تمہارے لیے چوپاؤں میں سے آٹھ قسمیں اتاریں، وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کرتا ہے ایک شکل کے بعد دوسری شکل میں تین تین اندھیروں میں، یہی اللہ تمہارا رب ہے اُسی کی بادشاہت ہے، اُس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، پس تم کہاں پھیرے جا رہے ہو۔“

فحاشی، قطع رحمی اور بری ہمسائیگی کا عام ہونا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَظْهَرَ الْفَحْشُ وَالتَّفَاحُشُ وَقَطِيعَةُ الرَّحِمِ وَسُوءُ الْمَجَاوِرَةِ» [مسند احمد: ۲۹/۱۰]

”قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ فحاشی (بیہودہ گوئی)، بدچلنی، قطع رحمی اور بری ہمسائیگی عام ہو جائے۔“

نظر بد کا دم

بِسْمِ اللَّهِ أَرْقِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ، وَمِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنٍ حَاسِدٍ اللَّهُ يَشْفِيكَ بِسْمِ اللَّهِ أَرْقِيكَ -

[مسلم: ۲۱۸۶]

”اللہ کے نام کے ساتھ میں آپ کو دم کرتا ہوں ہر اس چیز سے جو آپ کو تکلیف دیتی ہے اور ہر نفس یا ہر حاسد کی نظر بد سے۔ اللہ آپ کو شفا دے، اللہ کے نام کے ساتھ میں آپ کو دم کرتا ہوں۔“

دہشت گرد کون؟

محمد سلیم چنیوٹی

اداریہ

ہر ملک کی بقا و سلامتی کے لیے ضروری ہے کہ وہاں کے عوام خوش حال ہوں، انصاف مہیا کرنے والے ادارے مستحکم ہوں، صنعتی ادارے ایک مضبوط منیٹ ورک کے ذریعے معاشی تقاضے پورے کر رہے ہوں اور تجارتی ادارے سیاسی جھمیلوں سے دور رہتے ہوئے اپنی چال ڈھال کے حساب سے صحیح نتائج برآمد کر رہے ہوں۔ گزشتہ برس (۱۸ فروری ۲۰۰۸ء) کے انتخابات میں پرویز مشرف کی حکومت کو عوام نے ووٹ کی طاقت سے جب تھس نہیں کر دیا اور وہ اپنی لوٹ مار کے دس سال گزار کر کرسی اقتدار سے پھسل کر امریکی و برطانوی چراگاہ میں جا پھنچے تو وہاں جا کر انھیں اپنی غلطیوں کا اب احساس یوں ہونے لگا ہے جیسے ایش مسلم کش کو اقتدار سے الگ ہوتے ہوئے ہونے لگا۔ اُس (بش) کو بھی اب احساس ہونے لگا ہے کہ میری غلطیوں کے باعث امریکی مجھ سے ناراض ہو چکے ہیں جیسا کہ ہمارے مش (مشرف) کو بھی یہ احساس جرم تنگ کرنے لگا ہے کہ میری بد اعمالیوں میں سے نسخہ لال مسجد سب سے زیادہ برا عمل تھا جو میرے دین و دنیا کی تباہی میں سرفہرست رہے گا۔

لال مسجد کا نسخہ اس وقت کے حکمرانوں کے سر پر اتنا بڑا گناہ ہے کہ ساری قوم کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے۔ لال مسجد کے نمازیوں اور جامعہ حفصہ رحمۃ اللہ علیہا کی طالبات پر بجلی، پانی اور خوراک اس وقت بند کی گئی تھی کہ اب پورے ملک میں بجلی کا بحران قابو میں نہیں آ رہا۔ گندم کا بحران ابھی چل ہی رہا تھا کہ چینی کے نرخوں نے زقندیں بھرنی شروع کر دی ہیں، دریاؤں کا پانی خشک ہو رہا ہے، کسانوں کو آئندہ فصل کے لالے پڑے ہوئے ہیں گویا پورا معاشی ڈھانچہ بل کر تپٹ ہو چکا ہے۔ مہنگائی کے خون جڑے آئے روز نئے نئے انداز سے عوام کو نگل رہے ہیں۔ قتل و غارت گری کے بازار گرم ہیں۔ اخبارات کے صفحات روزانہ ایسی خبروں سے بھرے ہوئے ہماری آنکھوں کو خون کے آنسو لاتے ہیں۔

صلیبی شہ دماغوں کی عقل مندی اور ذہانت و فطانت ملاحظہ کریں کہ ہر طرف سے امریکی و اتحادی فوجوں کے زرخے میں آئے ہوئے، وسائل سے تہی دست مجاہدین جو دفاعی جنگ لڑ رہے ہیں وہ انھیں دہشت گرد قرار دے رہے ہیں، اور اُن کی ”دہشت گردی“ کے خاتمے کے لیے کتنے بے گناہ اور بے بس و بے کس معصوم بچوں اور خواتین کو اپنے ”امن“ کی بھینٹ چڑھا چکے ہیں۔ عراق میں دہشت گرد، افغانستان میں دہشت گرد، فلسطین میں دہشت گرد جن کی دہشت گردیوں کی فلاح و بہبود کی تنظیموں میں بھی انھیں دہشت گرد ہی دہشت گرد دکھائی دے رہے ہیں۔ مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا کام کرنے اور ان کی اخلاقی و روحانی تربیت کرنے والے بھی انھیں دہشت گرد ہی نظر آ رہے ہیں۔ ان کے نزدیک سوات کے مسلمان بھی دہشت گرد ہیں اور باجوڑ، ڈمہ ڈولہ، سرحدی قبائل اور ان کے جرگے منعقد کرنے والے سب مسلمانوں کو یہ دہشت گرد ہی کہہ دیتے ہیں، لیکن اس کے برعکس نہتے بے گناہ مسلمان شہریوں پر ڈرون حملے محض اس لیے کیے جا رہے ہیں کہ یہ دہشت گردوں کے خاتمے کے لیے ناگزیر ہیں۔

امن عالم کے نام نہاد چیپین اور دہشت گردی ختم کرنے کے نام پر بد امنی پھیلانے والے امریکا (عالمی طاغوت) کو اگر دہشت گردی نظر نہیں آ رہی تو اسرائیل کی نظر نہیں آ رہی، جس نے سینکڑوں نہتے فلسطینیوں کو تہ تیغ کیا جس نے بیسیوں بچوں کو خون میں نہلایا، سکولوں اور گھروں میں لاشوں کے بازار سجائے۔ کفر کے ان اماموں کو وہاں تو دہشت گردی نظر نہ آئی کہ شاید ان کی آنکھیں پھوٹ چکی ہیں۔ یہاں تو ان کی زبانیں بھی گنگ ہو چکی ہیں اور ان کے مونہوں کو تالے لگ چکے ہیں، یہی وجہ ہے کہ طاغوت اسرائیل کی اس بربریت اور واضح بد معاشی کی مذمت تک نہیں کر پا رہا بلکہ وہ اس بربریت کو حماس کے میزائل حملوں کا جواب کہہ کر بودی دلیل تراش کر دنیا کو دھوکا دینے کی ناکام کوشش کر رہا ہے۔

صلیبی دہشت گردی کا ایک (سابق و معزول) امام برطانیہ بھی ہے جس کا ایجنڈا ہی صلیبی غلبہ ہے۔ آج کل اس کا ایک نمائندہ ڈیوڈ ملی بینڈ بھارتی حکم رانوں کی وکالت کرنے اور ان کی ہم نوائی میں پیش پیش ہے۔ مسئلہ کشمیر اور وہاں کے مسلمانوں پر ظلم و ستم گزشتہ ساٹھ برس سے عالمی شاطروں کو نظر نہیں آ رہا۔

کشمیری حق خود ارادیت کے لیے مارے مارے پھر رہے ہیں لیکن ان کو کوئی پوچھتا تک نہیں۔ قیام پاکستان کے وقت سے اب تک یہ مسئلہ جوں کا توں لٹکا ہوا ہے۔ پانچ فروری ہر سال آتا ہے اس موقع پر محض جلسے، جلوس، ریلیاں برآمد ہوتی ہیں۔ تقریروں اور ترانوں سے پاکستانی عوام کو یوم کشمیر یاد کروادیا جاتا ہے۔ اس مسئلہ کے حل کے لیے عالمی شاطروں کے پاس وقت نہیں ہے، وہ بے چارے دہشت گردی ختم کرنے کے غم میں ہی گھلے جا رہے ہیں۔ کشمیر کے بارے میں اقوام متحدہ کی قراردادوں پر کئی کئی سال گزر گئے ہیں اور پتا نہیں کہ ابھی مزید کتنے گزر جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سال بھی اسی دہشت گردی کو ختم کرنے میں گزر جائے گا، اور مسئلہ کشمیر اسی طرح ان کے کھونٹوں پر لٹکا رہے گا۔

آج ضرورت ہے کہ مملکت پاکستان ائمہ کفر کے چنگل سے نکلے، اپنی سلطنت کی حفاظت کے ساتھ ساتھ یہاں کی عدلیہ، مقننہ کو استحکام سے نوازے۔ اسلامی اصولوں کی پاسداری کرتے ہوئے اہالیان پاکستان کی عزت و آبرو کی حفاظت اور معاشی و معاشرتی امور کی اصلاح پر توجہ دے، بجلی، گیس اور تیل کے مسائل کو پہلی فرصت میں حل کرے، مہنگائی کے جن کو سب سڈی دے کر قابو کرے اور قتل و غارت اور ڈکیتیوں کی بڑھتی ہوئی وارداتوں کو روکنے کے لیے سرعام سزا دے، فوری انصاف مہیا کرے۔ مذہبی و فرقہ وارانہ شریکوں پر نظر رکھے۔ پوری قوم کو ملی و قومی دھارے میں لانے کے لیے قومی سطح پر کانفرنسوں، سیمیناروں اور مکالموں کا اہتمام کر کے نئی نسل کی ذہن سازی کرے۔

نئی وزارتیں ایجاد کرنا، کابینہ کی بڑھوتی کرنا اور مشیروں کی فوج ظفر موج تشکیل دینا، قومی خزانے پر محض بوجھ ہی نہیں اس سے لوٹ کھسوٹ کا تاثر بھی ابھرتا ہے جو بدعنوانی کا امکان بھی لیے ہوئے ہوتا ہے۔ اس لیے درخواست ہے کہ بینا روا بوجھ عوام کے کندھوں پر نہ ڈالے جائیں۔ پرویز مشرف کی حکومت دس سال جن معاشی انڈھیروں میں پوری قوم کو دھکیلتی رہی ہے، اس کے سد باب کی طرف مکمل توجہ کی ضرورت ہے۔ ”جمہوری“ حکومت کے قیام سے عوام مزید پریشانوں میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ یہ نیکی جمہوریت ہے کہ جس میں روشنی کی بجائے تاریکی چھا رہی بلکہ بڑھ رہی، انصاف سرباب بن رہا ہے اور بے انصافی سر اٹھا رہی ہے۔ آسانی کے بجائے تنگی آ رہی ہے۔ غریب خط غربت سے مزید نیچے جا رہا ہے اور امیر امیر تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ایسی جمہوریت سے تو توبہ ہی بھلی۔

ہاں اگر یہاں کوئی نظام چلانا چاہیے تو امن و سلامتی اور اسلامی اخوت و محبت والا نظام چلائے۔ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نظام سلطنت کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ پوری مسلم امہ اپنے اندر اتحاد و اتفاق پیدا کر کے ائمہ کفر کی چال بازیوں سے آگاہ رہے اور ان سے بچنے کی سعی کرے تو یقیناً ہر اسلامی ملک بشمول پاکستان ہر طرح کی خیر و فلاح کا گہوارہ بن سکتا ہے، وما دُلل علی اللہ بعزیز

ذاتی صدمہ کے طور پر گزشتہ ہفتے کی اندوہناک خبر مولانا محمد یحییٰ گوندلوی کا ناگہانی سانحہ ارتحال ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا کی عمر تقریباً تریس سال تھی، علم کی لگن، ذوق کی نمو، مسلک کی تڑپ، عقیدہ صحیحہ کی تعلیم، تدریس اور نشر و اشاعت ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس تھوڑی سی عمر میں کم و بیش بائیس کے قریب ان کے تراجم..... کتب حدیث..... مقالہ جات، تحقیقات و تالیفات منظر عام پر آ چکی ہیں۔ مولانا گوندلوی رحمہ اللہ کی ان مساعی نے..... ہمارے حسن ظن کے مطابق..... انھیں دنیا میں جس طرح اپنے ہم عمر اور ہم سبقوں میں ممتاز کیا ہے ہم امید کرتے ہیں کہ آخرت میں بھی وہ ذات رحیم و کریم ان کو ممتاز ہی رکھے گی۔ مولانا کم گو، علم کے شائق، اساتذہ کے لیے مودب، طلباء کے لیے سراپا شفقت، علم کے دھنی اور داد دے داد سے غنی تھے۔ ان کا انتقال سا ہوا الا ضلع سیالکوٹ میں ہوا پورا علاقہ ان کی علمی و دینی خدمات کا گواہ بلکہ رہین ہے۔ حرص و ہوس، خود نمائی اور نفس کی تعالیٰ سے کوسوں دور اور خالص اپنے علمی ذوق میں مگن اور مطالعہ میں منہمک رہنے والے تھے۔ ان سے عزیز داری بھی تھی لیکن ان سے جہاں بھی ملاقات ہوئی اور جہاں بھی پایا علم و دنیا نے علم یعنی کتابیں اور علم کے بارے میں سوچتے، بولتے ہی پایا۔

شمال ترمذی، سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ کی ضخیم اردو شروحات کی سعادت سے بھی بہرہ ور ہوئے۔ اس طرح معیار الحق کی تحقیق کے علاوہ رد عقائد باطلہ میں ان کی بعض تصنیفات اور کتا۔ بچے بھی ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ان کی خدمات قبول فرمائے، ان کو صدقہ جاریہ بنائے اور ان کے والد مولوی محمد یعقوب مرحوم اور دادا مولوی تاج دین مرحوم..... جو میری مرحومہ بیوی کے سگے ماموں تھے..... کو ان کے اعمال حسنہ کا اجر و ثواب قیامت تک کے لیے پہنچاتا رہے۔ سوگواروں میں سینکڑوں شاگردوں کے علاوہ ان کی آٹھ بیٹیاں اور تین بیٹے ہیں۔ تین بیٹیاں شادی شدہ ہیں اور بیٹے ابھی زیر تعلیم ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ بچوں کی تکہائی فرمائے اور بیٹوں کو اپنے والد کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور مولانا رحمہ اللہ کو اعلیٰ علین میں اتقیا و صالحین کا ساتھ نصیب فرمائے، آمین الہ الحق آمین [سوگوار: احمد شاکر]

آداب فتاویٰ

احتیاط اور تقاضے

حافظ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ (م: ۷۵۱ھ)
ماخوذ از فتاویٰ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالسلام صاحب بستوی

ثواب ملنے کی امید بھی ہو۔

فائدہ (۱۶):

ایسی صورت میں وقف کرنے والے کے اجر میں کمی نہ ہوتی ہو اور مقصود شارع بھی ہر طرح پورا ہو جاتا ہو تو بھی اس پر شرط پوری کرنا متعین نہیں بلکہ اس سے ہٹ کر اس سے بھی زیادہ آسان، سہل اور نرم چیز کی طرف آ جانے کا اُسے حق ہے۔ ہاں اگر شرط کو واجب کر دینے والی چیز کی ترجیح ثابت ہو جائے اور قصد قربت و طاعت بھی اُس میں بالکل واضح ہو جائے تو بے شک اس کا ضروری ہونا (یعنی پورا کرنا) لازم اور واجب ہے۔ وقف کرنے والوں کی شرائط میں سے کیا پورا کرنا واجب ہے کیا جائز اور کیا ناجائز ہے؟ یہ اس کے بارے میں حتمی اور کلی قول ہے۔ جو بھی اس طریقے کو چھوڑے گا بڑے چکر میں پڑ جائے گا، اُس کے قدم کہیں بھی نہیں نکلیں گے اور اعتماد بھی جاتا رہے گا۔

قبروں کے مسائل: اسی طرح یہ شرط کہ تربت میں جہاں مردہ دفن ہے وہاں نماز پڑھے اور مسجد کو چھوڑ دے۔ یہ دین خدا صریح جنگ کرنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تو ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جو اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنالیں۔ قبرستان میں نماز پڑھنا اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک یہ نماز باطل اور غیر مقبول ہے، نہ اس کے ادا کرنے سے انسان بری الذمہ ہو سکتا ہے۔ پس کیسے جائز ہوگا کہ وقف کرنے والے کی اس شرط کو ضروری قرار دیا جائے اور خدا اور رسول کی شرط کو ساقط کر دیا جائے۔ اسی طرح تو دین

مفتی سے جب کبھی کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جائے جس میں وقف کرنے والے کی کسی شرط کا ذکر ہو تو اسے حلال نہیں کہ اس پر عمل کو ضروری قرار دے بلکہ جب تک اُس شرط پر خود غور نہ کر لے تب تک علی الاطلاق فتویٰ دینا جائز ہی نہیں۔ اگر وہ شرط اللہ اور رسول ﷺ کے خلاف ہو تو اس کی کوئی وقعت نہیں، نہ اس کا جاری کرنا جائز ہے۔ اگر مخالف نہ ہو تو دیکھئے کہ کیا وہ شرط حصول ثواب اور قربت الہیہ کا ذریعہ ہے یا نہیں؟ نیز شارع کے نزدیک اس کے رائج ہونے کی کوئی وجہ ہے یا نہیں؟ اگر یہ دونوں باتیں بھی اس میں نہ ہوں تو بھی اُسے لازم و ضروری قرار نہ دے۔ ہاں اسے حرام بھی نہ بتلائے لیکن اس کی مخالفت کوئی ضرر نہیں دے گی۔ اگر اُس میں قربت الہی اور ثواب ہو یا اُسے اپنے خلاف پر ترجیح حاصل ہو تو دیکھئے کہ اس کے لازم کر دینے سے اور اسے ضروری قرار دینے سے کوئی ایسی چیز ضائع تو نہیں ہو جائے گی جو خدا کے نزدیک اس سے بھی زیادہ رضا مندی کا کام اور محبوب ہو اور لوگوں کے لیے بھی نفع بخش ہو، اور وقف کرنے والے کا اصلی مقصود یعنی ثواب بھی اس سے زیادہ حاصل ہوتا ہو۔ اگر دیکھئے کہ اس شرط کے التزام سے ایسی چیز فوت ہو جاتی ہے تو قطعاً اس کے ضروری قرار دینے سے بچے اور اُس سے ہٹ جانے کو ہی جائز سمجھے بلکہ وہی پسند کرے جو خدا اور رسول کو زیادہ پسند ہو اور جس میں لوگوں کا زیادہ نفع ہو اور جس میں وقف کرنے والے کو زیادہ

بدل جایا کرتے ہیں۔ اس کے برعکس اس دین کی حفاظت کرنے والی جماعت تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے باقی رکھی ہے جو اسے ان برائیوں سے بچاتی ہے اور لوگوں کو اس کی طرف بلاتی ہے یعنی صحیح رہنمائی کرتی ہے۔

اسی طرح باطل کی ایک شرط قبر پر چراغ جلانا اور قندیل لٹکانا بھی ہے۔ وقف کرنے والے کو ایسی شرط عائد کرنا حلال نہیں، نہ حاکم کو اس شرط کا پورا کرنا حلال ہے، نہ مفتی کو اس کے جواز کا فتویٰ دینا حلال ہے، اور نہ جس شخص پر وقف کیا ہے اُس کا پورا کرنا حلال ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”ان لوگوں پر لعنت ہے جو قبروں پر چراغ وغیرہ رکھیں۔“ پس ایک مسلمان کو کیسے لائق ہوگا کہ وہ اس فعل کو ضروری سمجھے جس کے کرنے والے پر لعنت کی گئی ہو۔ ایک روز میں ایک قاضی کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے پاس ایک وقف نامہ آیا، وہ وقف ایک قبر کے متعلق تھا کہ اس قبر کو ٹھیک ٹھاک رکھا جائے اور ہر رات اس پر قندیل روشن کی جائے۔ میں نے کہا قاضی صاحب! اس کا باقی رکھنا تو حرام ہے، آپ اس کی صحت کا حکم کیسے دے سکتے ہیں، جب کہ حدیث میں ان لوگوں پر لعنت وارد ہوئی ہے جو قبروں پر روشنی کریں۔ چنانچہ وہ اس کے جاری کرنے سے رک گئے اور کہا کہ بات وہی ٹھیک ہے جو آپ فرماتے ہیں اور جو حدیث میں ہے۔

مردوں کے پیچھے قرآن خوانی: اسی طرح ایک باطل شرط قبر پر قراءت قرآن کی ہے۔ یعنی اللہ کی ان مساجد کو چھوڑ کر جن میں قراءت قرآن اور صبح و شام خدا کی یاد کیے جانے کا حکم ہے۔ لوگوں کے اس بارے میں دو قول ہیں: ایک تو یہ کہ قراءت قرآن کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہی نہیں خواہ قبر پر پڑھا جائے یا کہیں دوسری جگہ، اور دوسرا قول یہ ہے کہ چونکہ قاری کو قراءت کا ثواب حاصل ہوتا ہے تو اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ اور اگر قاری کا قبر پر آنا اور قراءت کرنا محض دام وصول کرنے کی غرض سے ہو تو ثواب مقصود نہ ہو تو خود اُسے کوئی اجر نہیں ملتا اور جب اُسے اجر نہیں ملتا تو میت کو کہاں سے پہنچے گا۔ تو پڑھنا بھی بے سود اور قبر کے چکر لگانا بھی بے کار بخلاف اُس کے کہ وہ محض اللہ کی خوشنودی کے

لیے مسجد میں قرآن پڑھتا یا اور کسی جگہ تلاوت کرتا تو اُس میں خود کو بھی ثواب ملتا اور اس کا اخلاص بڑھتا اور پھر یہ اپنا ثواب میت کے لیے کر دیتا تو اُسے بھی ثواب پہنچتا۔

ایک مرتبہ میں نے بعض اہل علم سے..... بطور مذاکرہ..... یہ بات کہی تو انھوں نے بھی اس کا اقرار کیا، البتہ یہ شبہ ظاہر کیا کہ ممکن ہے وقف کرنے والے کی دراصل یہ نیت ہو کہ وہ خود قبر پر پڑھا ہو قرآن سن کر نفع اٹھائے اور اس کی برکت بھی اُسے پہنچے۔ اس کے جواب میں میں نے کہا کہ قرآن سن کر نفع اٹھانا تو مشروط تھا اُس کی حیات کے ساتھ، جب وہ مر گیا تو اس کے مرنے کے ساتھ تمام اعمال منقطع ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ قرآن کا سننا تو تمام اعمال سے بہترین عمل ہے جب اس کی موت نے اس کے کل اعمال کاٹ دیے تو یہ عمل کیسے باقی رہ گیا۔ اگر یہ بات ممکن ہوتی تو سلف صالحین، صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد والے اس زبردست اور بہترین کام کرنے سے قطعاً محروم نہ رہتے۔ وہ تو نیکیوں کی طرف لپکنے والے اور بھلائیوں کے حریص تھے۔ اگر یہ بھی کوئی نیکی ہوتی تو ہم سے پہلے وہ اُسے کر گزرتے۔

پس اگرچہ کسی کی وصیت بھی اور کسی نے اس کام کے لیے رقم وقف کی ہو پھر بھی قبر پر جانا اور وہاں قرآن کا پڑھنا واجب نہ ہوگا۔ ٹھیک اُسی طرح جس طرح کوئی وقف کرے کہ یہ خیرات اس کی قبر پر کی جائے جیسا کہ اکثر جاہل کرتے ہیں تو یہ بھی لغو شرط ہے۔ اس طرح تو فقیروں اور محتاجوں پر بھی تنگی ہے کہ وہ بے چارے بستی سے دور باہر قبرستان جائیں، سردی گرمی اور اپنی کمزوری بیماری کسی بات کا لحاظ کریں اور وہاں جا کر اس خیرات کو حاصل کریں۔ بلکہ یہ تو اجر کو بھی ضائع اور برباد کرنے والی چیز ہے۔ اسی طرح کسی خانقاہ کے لیے جگہ وقف کرنا اس شرط پر کہ یہاں کے مشیخین، متولی اور صوفیا کتابت علم، سماع حدیث اور فہم قرآن وحدیث میں مشغول نہیں رہیں گے۔ تو یہ شرط بھی دین اسلام کے ساتھ صراحتاً ٹکرائے والی ہے۔ نہ اُسے جاری کرنا حلال، نہ اُسے لازم کرنا حلال، نہ اس پر قائم رہنے والوں کا اس وقف میں کوئی حصہ ہے۔ کیوں کہ اس شرط کا نتیجہ اور اصلی مقصود یہ ہوا کہ اس وقف سے وہ لوگ فائدہ

اٹھا سکتے ہیں جو واجب اور نفع دینے والے علم سے دست بردار ہو جائیں، اللہ اور رسول کے دینی امر سے جاہل رہیں، اللہ کے ناموں اور اس کی صفتوں سے بے خبر رہیں، اس کے رسول ﷺ کی سنتوں سے غافل رہیں، ثواب و عذاب کے احکام معلوم نہ کریں۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگ ساری مخلوق سے بدتر ہیں، اللہ کے ہاں سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہیں، شیطان کے گروہ اور اس کے دوست ہیں جنہیں سوائے نقصان کے کچھ حاصل نہیں۔

اسی طرح کی باطل شرط یہ بھی ہے کہ وقف کرنے والا شرط کرے کہ یہاں پر اللہ کی صفات عالیہ کی کوئی آیت یا حدیث نہ پڑھی جائے۔ جیسے کہ بعض دشمنانِ خدا جہمیہ نے یہ شرط کسی بادشاہوں کے لیے کی تھی جس نے ایک مسجد وقف کی تھی۔ اس شرط کا حاصل بھی اُس دینِ خدا کی مخالفت ہے جسے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے لے کر آئے تھے۔ اس سے قرآن کی بہت سی آیتیں تلاوت، غور و فکر اور سمجھ بوجھ کے حوالے سے بیکار ہو جاتی اور چھوٹی جاتی ہیں۔ اسی طرح بہت سی حدیثیں بھی معطل کر دی جاتی ہیں۔ نہ ان کا ذکر ہو سکتا ہے، نہ اُن کی روایت ہو سکتی ہے، نہ وہ سنی جاتی ہیں، نہ اُن سے ہدایت حاصل کی جاسکتی ہے۔ بلکہ اس کے بدلے جہمیت کے بازاروں کی رونق ہو جاتی ہے، بدترین بدعتوں کے رواج کی وسعت ہو جاتی ہے، نیز شک، حیرت، گمراہی اور تباہی کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

اسی طرح کی ایک شرط کسی مکان، مدرسے، مسجد یا رباط (سرائے) کو لوگوں کی کسی مخصوص جماعت کے لیے وقف کرنا ہے کہ اُن کے سوا اوروں کے کام نہ آ سکے۔ مثلاً عجمیوں کے لیے وقف کرنا، رومیوں کے لیے یا ترکوں کے لیے یا اوروں کے لیے وقف کرنا یہ بھی بدترین باطل شرط ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے قرابت دار اور مہاجرین و انصار کی اولاد کے لیے اس مسجد میں نماز حلال نہیں، اس رباط میں اترنا درست نہیں، اس مدرسے یا خانقاہ میں آنا درست نہیں۔ بلکہ اگر اس وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور بدری اور درخت

تسلیم بیعت کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی زندہ ہوتے تو انہیں اس مسجد یا رباط یا اس مدرسے میں قدم رکھنے کا حق حاصل نہ تھا۔ پھر اس شرط کو معتبر ماننا تو بڑا پاگل پن اور سوداؤی پن ہے، کسی پاک دل انسان سے تو اس کے جواز کا حکم صادر نہیں ہو سکتا۔ قرآن وحدیث کے علم کا دور سے بھی جس پر تو پڑ گیا ہے وہ ایسا ناپاک کلمہ زبان سے نہیں نکال سکتا۔

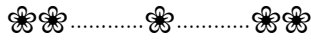
سینے ہمارے زمانے کے بزع خود مفتیوں میں سے ایک کا ذکر ہے، اس سے سوال ہوا کہ کوئی شخص ذمی کا فروں کے لیے کچھ وقف کر گیا اس کے بارے میں کیا فرمان ہے؟ کیا یہ وقف صحیح ہے؟ اور کیا اس کا نفع صرف انہی لوگوں کو پہنچے گا؟ تو اس نے دونوں باتوں کا جواب ہاں میں دیا اور ساتھ ہی یہ بھی جڑ دی کہ ہمارے ہم مذہب اصحاب کا یہی فتویٰ ہے۔ ہمارے شیخ نے اس کی فوری اور پھر پورتر دید کردی اور فرمایا کہ تم نے ہمارے فقہاء کے مقصود کو خاک بھی نہیں سمجھا۔ انھوں نے صرف یہ قصد کیا ہے کہ اہل ذمہ میں سے ہونا اس پر وقف کرنے میں رکاوٹ نہیں۔ قرابت داری ہو یا اس کی تعیین ہو۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ خدا رسول سے کفر کرنے والے، صلیب کی پوجا کرنے والے، مسیح کو خدا کا بیٹا کہنے والے ہی اس وقف کے حق دار ہیں۔ اور جو اللہ و رسول پر ایمان لائیں، دین اسلام کے متبع ہوں انہیں اس وقف میں کوئی حصہ ہی نہیں تو مطلب یہ ہوا کہ اس وقف سے فائدہ اٹھانے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلائے اور دین اسلام کے ساتھ کفر کرے۔ ذمی کے وصف کا وقف کی صحت سے مانع ہونا اور اس کا مقتضی ہونا ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔

پس ایسے مفتیوں کا علم وفہم اور بصیرت تو بالکل ظاہر ہے، ان کی عقل کا تو ماتم ہی ہونا چاہیے۔ آپ اس کی نظیر یہ لیجیے کہ کسی نے مال داروں کے لیے ہی وقف کیا ہے۔ یہ اس وقت صحیح ہوگا جب مالدار قرابت دار ہو تو بے شک اس کی مالدار کی مانع نہ ہوگی۔ لیکن یہ غلط ہے کہ مال داری اور تو نگری کو ہی وجہ استحقاق قرار دے دیا جائے کہ جب تک وہ مال دار ہے حق دار ہے اور جب مسکین ہو گیا حق بھی جاتا رہا۔ گویا جب

ٹھیک ہے۔ جو اس کے خلاف ہو وہ کالعدم بلکہ ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے قابل ہے۔

کیا بھول گئے کہ ابوسرائیل نامی ایک صحابی نے نذرمانی تھی کہ وہ روزہ رکھے گا اور دن بھر دھوپ میں کھڑا رہے گا، بیٹھے گا نہیں، نہ کسی سے بات چیت کرے گا۔ تو حضور ﷺ نے اس کی یہ نذر اتر وادی اور اسے حکم فرمایا کہ سائے میں بیٹھ جائے، بات چیت کرے اور روزہ پورا کرے۔ دیکھئے جو اطاعت خدا کی چیز تھی اُسے پورا کرنے کو فرمایا اور جو اطاعت خدا کے خلاف تھی اس سے روک دیا۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی بہن نے نذرمانی کے ننگے سر پیدل حج کرے گی۔ تو آپ ﷺ نے اس کی نذر توڑ دی اور اُسے حکم فرمایا کہ سر ڈھانپ لے اور سوار ہو جائے۔ حج کرے اور ایک جانور فی سبیل اللہ قربان کر دے۔

پس جو رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے والے ہوں ان پر واجب ہے کہ وقف کرنے والوں کی شرطوں کی بھی اسی طرح تقسیم کر لیں یعنی جو مطابق شرع ہو باقی رہے، اور جو مطابق نہ ہو باقی بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق خیر عنایت فرمائے۔ [جاری ہے]



ضروری اطلاع

قارئین الاعتصام کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ وہ سالانہ زیر تعاون بذریعہ ڈرافٹ ارسال فرمایا کریں بذریعہ چیک یا کراس چیک نہ بھیجا کریں۔ کیوں کہ لاہور سے باہر برانچوں کے چیکس پر بینک چارجز سے ادارے کو وصولی کم ہوتی ہے۔ اس لیے پوری وصولی کے لیے برائے مہربانی ڈرافٹ یا منی آرڈر ارسال کیا کریں۔ امید ہے قارئین تعاون فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ خیراً

[منیجر]

تک اسے حاجت نہ تھی حلال تھا اور جب حاجت ہوئی تو حرام ہو گیا۔ یہ بات تو وہی کہہ سکتا ہے جسے خدا کی طرف سے توفیق نہ ہو اور جسے قدرت رسوا کرنا چاہتی ہو۔ اگر حضور ﷺ کسی امام کو ایسا کرتے دیکھ لیتے تو یقیناً آپ اس پر سخت برہمی کرتے، بے حد ناراض ہوتے اور ہرگز اسے جائز نہ رکھتے۔ اسی طرح اگر آپ ﷺ اپنی امت کے کسی آدمی کو دیکھتے کہ اس نے ان لوگوں پر وقف کیا ہے جو بال بچوں سے آزاد ہوں، شادی بیاہ سے الگ ہوں اور اگر وہ بیوی بچے والے ہو جائیں تو ان کا حق ساقط ہو جائے تو یقیناً آپ ﷺ ایسے لوگوں پر سخت غضب ناک ہوتے اور ان کے اس فعل کو ناپسند فرماتے۔ کیوں کہ آپ ﷺ کا دین اس کے برعکس ہے، آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تو یہ تھی کہ جب آپ کے پاس مال آتا تو آپ مجرد (غیر شادی شدہ) لوگوں کو ایک حصہ دیتے اور گھربار والوں کو دو دوا حصہ عطا فرماتے۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”تین قسم کے لوگوں کی مدد اللہ تعالیٰ پر ضروری ہے۔ ان میں سے ایک قسم کے وہ لوگ ہیں جو حرام کاری سے بچنے کے لیے نکاح کریں۔“ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اُس کے خلاف کرنے والوں کی اعانت و مدد اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی۔

ایک دلیل اور اس کا جواب: بعض لوگ ایک دلیل یہ پیش کر دیا کرتے ہیں کہ اپنا مال راہ اللہ وقف کرنے والے کی شرطیں ایسی ہی معتبر ہیں جیسے شارع کے الفاظ۔ اس جملے کے ایک معنی تو صحیح ہیں اور دوسرے بالکل باطل اور غلط ہیں۔ اگر اس سے یہ مطلب لیا جائے کہ یہ شرطیں فہم و دلالت میں، مطلق کو مقید کرنے میں، خاص کی عام پر تقدیم کرنے میں، سبب خاص کی بجائے عموم لفظ کے اعتبار میں الفاظ شریعت کی طرح ہیں تو یہ فی الجملہ حق اور درست ہے۔ اور اگر اس سے یہ مطلب لیا جائے کہ مراعات کے واجب اور لازم کرنے میں، اور تنفیذ احکام میں یہ شرطیں اور وقف کرنے والے کے الفاظ نصوص شریعت کی طرح ہیں تو یہ قطعاً غلط اور بالکل جھوٹ ہے۔

ان شرائط اور الفاظ میں سے جو بھی خدا رسول کی اطاعت سے نہ ہوگا وہ باطل ہے اور جو شرع کے مطابق ہو وہ جاری و ساری، ضروری اور

”اریسی“ کون تھے؟

مولانا عمر فاروق السعیدی

سیرت رسول ﷺ اور کتب احادیث و تاریخ میں رسول اللہ ﷺ کا وہ مکتوب گرامی ذکر ہوا ہے جس میں قیصر روم کو قبول اسلام کی دعوت دی گئی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ اگر تم نے اسلام قبول کر لیا تو تمہیں دو ہزار اجر ملے گا، ورنہ ”اریسین“ کا گناہ بھی تیرے ہی ذمے ہوگا۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی تالیف ”نبی رحمت“ کا مطالعہ کرتے ہوئے اس لفظ ”اریسی“ کی ایک عمدہ تحقیق نظر آئی ہے جو ان شاء اللہ طلباء حدیث و سیرت اور اہل تاریخ کے لیے بہت مفید ہے۔ اس کتاب میں درسی لفظ اور دعوتی امور سے متعلق بہت سی عمدہ باتیں ہیں۔ طلباء حدیث و سیرت کے علاوہ خطباء کے لیے بھی یہ ایک مفید کتاب ہے۔ ”اریسین“ کے متعلق ندوی صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق پیش خدمت ہے:

اریسی کون تھے؟

”اریسین“ یا ”یریسین“ کا لفظ روایات کے اختلاف کے باوجود صرف اس خط میں آیا ہے جو ہرقل کے نام لکھا گیا، اس کے علاوہ جتنے مکاتیب سلاطین کو آپ ﷺ نے روانہ فرمائے کسی میں یہ لفظ ہمیں نہیں ملتا۔ علمائے حدیث اور علمائے لغت کا اس لفظ کے اصلی مفہوم کے بارے میں خاصا اختلاف ہے۔ مشہور قول یہ ہے کہ ”اریسین“، ”اریسی“ کی جمع ہے اور وہ خدمت گاروں، شاگرد پیشہ اور کاشت کاروں کے لیے آتا ہے۔ [دیکھئے شرح مسلم للنووی اور ”مجمع بحار الانوار“ از علامہ محمد طاہر بنی]

ابن منظور نے بھی ”لسان العرب“ میں اس کو کاشت کاروں کے ہم معنی قرار دیا ہے۔ اور اس کو امام لغت ثعلب سے نقل کیا ہے، ابن الاعرابی کے قول کا حوالہ دیتے ہوئے بھی اس مادہ کے یہی معنی لکھے ہیں، اور ابو عبیدہ کا قول نقل کیا ہے کہ ”میرے نزدیک ”اریس“ سردار اور بڑے کو کہتے ہیں۔ جس کے حکم کی تعمیل کی جائے اور جب وہ اطاعت چاہے تو اس کی اطاعت کی جائے۔“ [دیکھئے ”لسان العرب“ مادہ ”ارس“]

اس موقع پر ایک پڑھا لکھا آدمی جس کی ان ملکوں کے خصائص

وحالات پر نظر تھی، یہ سوال کر سکتا ہے کہ اگر ”اریسین“ سے مراد کاشتکار تھے تو شہنشاہ ایران کسری کو پرویز اس کا زیادہ مستحق تھا کہ اس کو ان کے بارے میں اس کی ذمہ داری سے آگاہ کیا جاتا اور یہ لفظ اس خط میں آتا جو کسری کے نام بھیجا گیا، اس لیے کہ کاشت کاروں کا طبقہ سلطنت ساسانی (ایرانی) میں بازنطینی (رومی) سلطنت کے مقابلہ میں زیادہ وسیع اور نمایاں تھا، اور ایران کی قومی آمدنی اور ذرائع معیشت کا زیادہ تر انحصار زراعت پر تھا، جیسا کہ ازہری نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور ابن منظور نے ان کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ

”سواد عراق کے لوگ جو کسری کے دین پر تھے، زراعت پیشہ اور کاشت کار تھے۔ اہل روم ساز و سامان کی تیاری اور صنایع کا پیشہ کرتے تھے اور اس لیے وہ مجوس کو ”اریسین“ کہتے تھے۔ اریس کی طرف نسبت کرتے ہوئے جس کے معنی کاشت کار کے ہیں عرب بھی ایرانیوں کو ”فلاصین“ کاشتکار کے لقب سے یاد کرتے تھے۔“ [ایضاً]

ان سب وجوہ سے ہمارے نزدیک ترجیح اس قول کو ہے کہ

اس کی بے دخلی سے یہ جھگڑا ختم نہیں ہوا۔ شہنشاہ قسطنطین نے اس نزاع کو ختم کرانے کی کوشش کی۔ لیکن اس کو اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ ۳۲۵ء میں اس نے میقیہ میں ایک کانفرنس بلائی جس میں دو ہزار تیس پادری شریک ہوئے۔ شہنشاہ کاراجان الوہیت مسیح کی طرف تھا، اس لیے اس نے ”اریوس“ کے خلاف فیصلہ دیا۔ اس کے باوجود نمائندوں کی اکثریت ”اریوس“ کی مؤید تھی۔ اور صرف تین سو اٹھارہ پادری بادشاہ کے ساتھ تھے۔ تاہم اس نے ”اریوس“ کو الیریا میں جلاوطن کر دیا، اور اس کی سب تحریریں جلا دی گئیں، جس کے پاس اس کی کوئی تحریر ملتی اس کو سخت سزا دی جاتی۔ لیکن ان کوششوں سے ”اریوس“ کی اہمیت اور لوگوں میں اس کی ہر دلچسپی اور مقبولیت ختم نہ کی جاسکی۔

آخر قسطنطین ہی کو اپنا رویہ نرم کرنا پڑا، اور اس نے اس کے عقیدہ سے پابندی اٹھالی۔ اپنے سب سے بڑے حریف و رقیب الیگزینڈر کی موت اور اس کے جانشین کی جلاوطنی کے بعد اریوس اسکندریہ پھر واپس آ گیا۔ قریب تھا کہ قسطنطین اس کو مصری کلیسا کا سربراہ مقرر کر دے، اور اس کا مذہب قبول کر لے، لیکن موت نے اس کا موقع نہیں دیا۔

[انسائیکلو پیڈیا مذہب و اخلاق]

”ڈریپر“ نے اپنی کتاب ”معرکہ مذہب و سائنس“ میں لکھا ہے کہ تیرہ مئی مجالس نے چوتھی صدی عیسویں میں اریوس کے خلاف فیصلہ دیا تھا۔ پندرہ مئی مجالس نے اس کی تائید کی تھی۔ سترہ مئی مجالس نے جو رائے ظاہر کی وہ اس کی رائے کے بہت قریب تھی۔ اس طرح ۴۵ مئی مجالس اس مسئلہ پر غور و فیصلہ کرنے کے لیے منعقد کی گئیں۔

واقعہ یہ ہے کہ مئی دنیا میں چوتھی صدی سے قبل عقیدہ تثلیث کا عام رواج نہیں ملتا۔ ”نیو کیتھولک انسائیکلو پیڈیا“ میں آتا ہے کہ

”عقیدہ تثلیث کی تشکیل جدید اور اس کے راز سے پردہ صرف انیسویں صدی کے نصف ثانی میں ہی اٹھ سکا۔ مطلق عقیدہ توحید پر اگر کوئی گفتگو کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مسیحی تاریخ کے آغاز سے چوتھی صدی کے آخری چوتھائی تک منتقل ہو جاتا ہے، یہ کہ ایک معبود کے تین مظاہر ہیں۔ مسیحی دنیا میں یہ نظریہ اسی مخصوص تاریخی وقفہ میں پھیلا تھا۔“

اریسین سے مراد ”اریوس“ مصری (ARIUS, 280-336) کے پیرو ہیں، جو ایک ایسے مستقل مسیحی فرقہ کا بانی تھا جس نے مسیحی عقائد اور اصلاح کے شعبہ میں ایک خاص کردار ادا کیا۔ اس فرقے نے بازنطینی سلطنت اور مسیحی کلیسا کو عرصہ دراز تک پریشان رکھا تھا۔ ”اریوس“ وہ شخص ہے، جس نے توحید کا نعرہ بلند کیا اور خالق و مخلوق (عیسائیوں کے الفاظ میں) ”باپ بیٹے“ کے درمیان فرق کرنے کی دعوت دی۔ اس نے اس موضوع پر بحث و مباحثہ کا دروازہ کھول دیا اور عیسائی معاشرہ میں صدیوں تک یہی موضوع رہا۔ اس کے خیالات کا خلاصہ یہ ہے کہ خدائے واحد کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ زمین پر ظاہر ہو، اس لیے اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کو فوقیت اور کلام الہی سے بھر دیا خدا کے بنیادی صفات میں وحدانیت اور ابدیت ہے اور اس نے اپنی ذات سے براہ راست کسی کو پیدا نہیں کیا (جنا نہیں) بیٹا خود ”خدا“ نہیں ہے بلکہ امر رب کی حکمت کا ایک مظہر ہے، اور اس کی الوہیت اضافی ہے نہ کہ مطلق۔ [تفصیل کے لیے دیکھئے، انسائیکلو پیڈیا مذہب و اخلاق، جلد ۱، مقالہ Arianism، ص: ۷۷۷]

جیمس میکین (James-Mackinon) اپنی کتاب ”مسیح سے قسطنطین تک“ میں لکھتا ہے:

”(اریوس) کا اصرار تھا کہ تنہا اللہ کی ذات قدیم ہے، ازلی ابدی ہے اس کا کوئی شریک نہیں، وہی ہے، جو بیٹے کو عدم سے وجود میں لایا، اس لیے بیٹا ازلی نہیں ہے، اللہ ہمیشہ سے باپ نہیں ہے۔ چنانچہ ایک زمانہ ایسا گزرا ہے کہ بیٹے کا وجود ہی نہ تھا، بیٹا اپنی ایک مستقل حقیقت رکھتا ہے۔ جس میں اللہ اس کا شریک نہیں، وہ تبدیلیوں اور انقلابات سے متاثر بھی ہوتا ہے، اور وہ صحیح معنی میں خدا کہلانے کا مستحق نہیں۔ ہاں اس کو کامل قرار دیا جاسکتا ہے لیکن وہ بہر حال ایک کامل مخلوق ہے۔“

دوسری طرف اسکندریہ کا کلیسا چوتھی صدی عیسوی میں حضرت مسیح کی الوہیت کا مطلق طریقہ سے قائل تھا اور اس کے نزدیک خالق و مخلوق اور باپ بیٹے میں کوئی تفریق نہ تھی۔

اس کو مصری کلیسا کے لاٹ پادری الیگزینڈر نے ۳۲۱ء میں اسکندریہ کے کلیسا سے بے دخل کر دیا، ”اریوس“ شہر چھوڑ کر چلا گیا، لیکن

یہ عقیدہ ودعوت الوہیت مسیح کی کھلی ہوئی دعوت کے ساتھ ہمیشہ برسرِ پیکار رہی۔ کبھی اس کا پلڑا بھاری ہوتا، کبھی اس کا۔ بازنطینی مملکت کی مشرقی ریاستوں میں عیسائیوں کی بہت بڑی تعداد ایوس کے عقیدہ کی حامل تھی۔ یہاں تک کہ تھیوڈوسس نے قسطنطنیہ میں عیسائی کانفرنس طلب کی۔ جس نے الوہیت مسیح اور ان کے خدا کا بیٹا ہونے کے عقیدہ کو باقاعدہ منظور کر لیا۔ اور اس کے اعلان کے بعد ایوس عقیدہ کی دعوت ختم ہو گئی اور یہ تحریک نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ تاہم عیسائیوں کی ایک جماعت اس کے بعد بھی اس سے وابستہ رہی، اور یہ لوگ ”فرقہ اریسیہ“ یا ”اریسین“ کے نام سے مشہور ہوئے۔

اس لیے قابلِ ترجیح اور قرین قیاس یہی قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس جملہ سے ”فان تولیت فان عليك اثم الأریسین“ سے مراد یہی ہے۔ اس لیے کہ اس وقت کی مسیحی دنیا میں جس کی زمامِ قیادت عظیم بازنطینی مملکت کے ہاتھ میں تھی، اور جس کا سربراہ ہرقل تھا، یہی فرقہ نسبتاً اتو حید کا حامل اور اس پر اب تک قائم تھا۔

عجیب بات یہ ہے کہ عصرِ اوّل کے بعض جلیل القدر علمائے اسلام نے بھی اسی رجحان کا اظہار کیا ہے، امام طحاوی رحمہ اللہ (م ۳۲۱ھ) اپنی کتاب ”مشکل الآثار“ میں لکھتے ہیں:

”بعض حقائق آگاہ علماء نے بیان کیا ہے کہ ہرقل کی جماعت میں ایک فرقہ تھا، جس کو ”اریسیہ“ کہتے تھے۔ یہ تو حیدالہ اور حضرت مسیح کی عبدیت کا قائل تھا۔ نصاریٰ مسیح علیہ السلام کی ربوبیت کے بارے میں جو کچھ کہتے تھے، یہ فرقہ اس کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ یہ دین مسیح علیہ السلام پر قائم تھا اور انجیل میں جو کچھ تھا، اس پر عمل پیرا تھا۔ نصاریٰ اس سے آگے بڑھ کر جو کچھ کہتے تھے، وہ اس پر ایمان نہ رکھتا تھا اگر یہ بات صحیح ہے تو اس فرقہ کو ”اریسین“ رفع کے ساتھ اور ”اریسین“ نصب اور جر کے ساتھ کہنا دونوں جائز ہے۔ جیسا کہ علمائے حدیث کا خیال ہے۔“

[مشکل الآثار، ج ۲: ص ۳۹۹]

اسی کے قریب قریب رائے امام نووی رحمہ اللہ شارح مسلم (م

۲۷۶ھ) نے بھی ظاہر کی ہے، وہ کہتے ہیں:

”دوسرا قول یہ ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ ہیں، جو عبد اللہ بن اریس^(۱) کے ماننے والوں میں تھے، جس کی طرف اروسیت کو منسوب کیا جاتا ہے۔“ [شرح صحیح مسلم للنووی، ج ۲: ص ۹۸]

❀.....❀.....❀

[بقیہ: ویلنٹائن ڈے]

ایسی ترقی جو ہم سے ہماری شناخت چھین لے جو ہمیں فکری محاذوں پر اپنا بیج بنا ڈالے، جو ہماری غیرتوں کے جنازے نکال دے جو ہماری حمیت کو زندہ لاش بنا ڈالے۔ اسلام کا نام لینے والوں کو سوچنا چاہیے کہ مغربی اور غیر اسلامی تہوار ویلنٹائن ڈے، جشن بہاراں، اپریل فول اور نیو ایئرناٹ، وغیرہ منانے کا کیا مطلب ہے۔ واضح الفاظ میں اگر اس کا مطلب بیان کیا جائے تو اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ مسلمان اپنی ذاتی تہذیب و ثقافت سے بالکل محروم ہیں۔

آخر میں ان نوجوانوں سے گزارش کرتا ہوں جن کے دلوں میں اسلام کی محبت ہے کہ آؤ اور اصلاح معاشرہ کے لیے قدم بڑھاؤ، اسلامی تہذیب و تمدن اور اُس کی خاندانی بنیادوں کو منہدم کرنے کے لیے کی گئی تمام سازشوں کو کچل دو اور قرآن کی اس آیت کا مصداق ٹھہرو۔

﴿کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف

وتنہون عن المنکر﴾ [آل عمران: ۱۰۹]

”تم بہتر ہوسب امتوں میں جو لوگوں کے لیے نکالے گئے ہو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔“

ہم تخت یا تختہ میں سے ایک چنا کرتے ہیں ہم عجب شان سے اس دنیا میں جیا کرتے ہیں ملا ہے ہمیں اصلاح باطل کا درس اس وقت سے جب ہم ماں کی گود میں دودھ پیا کرتے ہیں وما توفیقی الا باللہ

❀.....❀.....❀

(۱)..... یہ امام نووی کی فروگزاشت معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ظہور اسلام سے تین سو برس قبل اس کا وجود تھا اور اس کا نام بھی کوئی اسلامی عربی نام نہ تھا۔

کتاب الآثار کیا پہلی صحیح کتاب ہے؟^①

مولانا ارشاد الحق اثری

”قالا أخبرنا به مؤلفه الإمام محمد بن الحسن عن أبي حنيفة وغيره من المشايخ -“
”ان دونوں (یعنی اسماعیل بن قزوینی اور ابو حفص احمد بن حفص) نے ہمیں خبر دی ہے اس کتاب کی اس کے مؤلف امام محمد رحمہ اللہ بن حسن سے، وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور دوسرے مشائخ سے روایت کرتے ہیں۔“

علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے الاعلان بالتونجھ: ص ۲۳۴ میں بھی کتاب الآثار کو امام محمد رحمہ اللہ کی ہی تصنیف قرار دیا ہے۔ یہی بات حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری [ج: ۹، ص: ۶۵۰]، الدرر الیہ [ج: ۲، ص: ۲۰۰] اور تعجیل المنفعہ [ص: ۳۴، ۹] میں اور علامہ الزیلعی رحمہ اللہ نے نصب الراية [ج: ۴، ص: ۱۶۸] میں کہی ہے۔

کتاب الآثار میں چوں کہ اکثر و بیشتر روایات امام ابو حنیفہ سے ہیں اس لیے بعض حضرات نے اس کتاب کا انتساب ہی امام ابو حنیفہ کی طرف کر دیا ہے۔ حتیٰ کہ حافظ ابن حجر کے ایک کلام سے بھی بعض کو دھوکا لگا اور کہا گیا کہ وہ بھی اس کا انتساب امام ابو حنیفہ کی طرف کرتے ہیں۔ علامہ الحسینی رحمہ اللہ نے ائمہ اربعہ کی مرویات کے رجال کو جمع کیا تو انھوں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مرویات کے حوالے سے ”مسند ابی حنیفہ“ کا نام لیا۔ حافظ ابن حجر اس بات پر نقد و تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”كذلك مسند ابی حنیفہ، توهم أنه جمع ابی حنیفہ، وليس كذلك والموجود من حدیث ابی حنیفہ مفرداً إنما هو كتاب الآثار التي رواها محمد بن الحسن عنه -“ [تعجیل المنفعہ، ص: ۵۰]
”اسی طرح ”مسند ابی حنیفہ“ کا نام، جس سے وہم ہوتا ہے کہ

امام محمد بن حسن شیبانی کی تصانیف میں ایک مشہور کتاب ”کتاب الآثار“ ہے۔ حاجی خلیفہ لکھتے ہیں:

”كتاب الآثار للإمام محمد بن الحسن وهو مختصر على ترتيب الفقه ذكر فيه ما روى عن أبي حنيفة من الآثار -“

[كشف الظنون، ج: ۲، ص: ۱۳۸۴]

”کتاب الآثار امام محمد بن حسن کی ہے اور فقہی ترتیب پر مختصر کتاب ہے، جس میں انھوں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے مروی آثار کو ذکر کیا ہے۔“

یہی بات اسماعیل پاشا نے ہدیۃ العارفین [ج: ۲، ص: ۸] میں کہی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ محدث دہلوی نے کتاب الآثار کے اطراف کا سماع شیخ تاج الدین حنفی رحمہ اللہ مفتی مکہ مکرمہ سے کیا ہے فرماتے ہیں:

”وأطراف كتاب الآثار امام محمد وموطأ أو

از وی سماع نمود -“ [انسان العین، ص: ۱۶]

اسی طرح حضرت موصوف اپنی ایک اور تصنیف میں فرماتے ہیں:

”أما الأحادیث والآثار التي عليها بناء مذهب أبي حنيفة فقد رويتها مسلسلاً بالفقهاء الحنفيين في ضمن كتاب الآثار للإمام محمد بن الحسن -“

[اتحاف النبیه، ص: ۱۲۱]

”وہ احادیث و آثار جن پر امام ابو حنیفہ کے مذہب کا دار و مدار ہے، انھیں میں نے امام محمد رحمہ اللہ بن حسن کی الآثار کے ضمن میں مسلسل فقہائے حنفیہ کی سند سے روایت کیا ہے۔“ اس کے بعد انھوں نے اپنی سند ذکر کی ہے اور آخر میں لکھا ہے:

اسے امام ابوحنیفہ نے جمع کیا ہے۔ حالاں کہ ایسا نہیں بلکہ امام ابوحنیفہ کی حدیث میں موجود مفرد ”کتاب الآثار“ ہے جسے محمد بن حسن ان سے روایت کرتے ہیں۔“

ظاہر ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے مسند ابی حنیفہ کے بارے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے کہ وہ امام صاحب کی کتاب نہیں۔ پھر ان کی مرویات کی نشان دہی کی ہے کہ وہ ”کتاب الآثار“ میں ہیں جنہیں امام محمد ان سے روایت کرتے ہیں۔ اسی ”کتاب الآثار“ کے رجال حافظ ابن حجر نے ”الایثار بمعرفۃ رواۃ الآثار“ کے نام پر علیحدہ طور پر مرتب کیے ہیں۔ جس میں وہ رقم طراز ہیں:

”فإن بعض الإخوان التمس مني الكلام على رواة كتاب الآثار للإمام أبي عبد الله محمد بن الحسن الشيباني، التي رواها عن الإمام أبي حنيفة“ [الایثار، ص: ۱۰]

”بعض بھائیوں نے مجھ سے کتاب الآثار کے راویوں پر کلام کا تقاضا کیا، جو امام ابو عبد اللہ محمد بن حسن شیبانی کی ہے۔ جسے وہ امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں۔“

ظاہر ہے کہ یہ ”کتاب الآثار“ اگر امام ابوحنیفہ کی تھی تو صاف ”لإمام أبي حنيفة“ کہنے میں کیا انقباض تھا۔ اور ”التي رواها عنه“ کے تکلف کی ضرورت ہی کیا تھی۔ حافظ قاسم قطلوبغا نے بھی امام محمد کی ”کتاب الآثار“ کے رجال پر مستقل کتاب لکھی۔ [الاعلان بالتوبيخ، ص: ۲۳۴۔ فہرس الفہارس، ج: ۲، ص: ۹۷۲]

کتاب الآثار اور امام ابوحنیفہ:

ہماری اس وضاحت سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ”کتاب الآثار“ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی نہیں بلکہ امام محمد شیبانی رحمہ اللہ کی کتاب ہے۔ امام محمد نے تقریباً چھبیس مقامات پر امام صاحب کے علاوہ دیگر مشائخ سے روایات بیان کی ہیں۔ یہی پوزیشن کتاب الآثار لابن یوسف کی ہے۔ مگر کچھ عرصہ سے بعض حضرات اس کوشش میں ہیں کہ کتاب الآثار کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کتاب باور کرایا جائے۔ بلکہ اسے تدوین حدیث کے سلسلے کی مساعی میں سب سے پہلی تصنیف قرار دیا جائے، حتیٰ کہ اسے

صحیح حدیث پر مشتمل پہلی کتاب قرار دیا جائے۔ غالباً برصغیر میں اس فکر کے سرخیل ماضی قریب میں مولانا عبدالرشید نعمانی مرحوم تھے۔ سب سے پہلے انھوں نے ہی ”ماتمس الیہ الحاجہ لمن يطالع سنن ابن ماجہ“ میں، جو بعد میں ”الامام ابن ماجہ کتابہ السنن“ کے نام سے شائع ہوئی، اور اس کے اردو ایڈیشن ”ابن ماجہ اور علم حدیث“ میں اپنے افکار کا تذکرہ کیا۔ اس کے علاوہ یہی کچھ شیخ مسعود بن شیبہ سندھی کی کتاب ”مقدمہ کتاب التعلیم“ کے حواشی اور ”ذب ذبابات الدراسات“ للشیخ عبداللطیف سندھی کے حواشی میں بتکرا کر کیا گیا۔

یہاں یہ بات بھی یقیناً دلچسپی سے خالی نہیں کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی ”کتاب الآثار“ جس میں وہ اکثر و بیشتر امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں، پہلی بار ۱۳۵۵ھ میں، حضرت مولانا ابوالوفا افغانی رئیس لجنۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن کی تحقیق و حواشی سے مصر میں طبع ہوئی تھی۔ جس کے مقدمہ میں حضرت موصوف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تصانیف کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”ولم یصنف الإمام الأعظم رضی اللہ عنہ کتاباً فی الأخبار والآثار کما صنف الإمام مالک رضی اللہ عنہ الموطأ، وإنما کان یملی فروع الفقہ علی تلامیذہ، فإذا احتاج إلى دلیل مسألة حدثهم عن شیوخہ من الأحادیث المرفوعة والموقوفة وآثار التابعین، بالسند المتصل تارة وأخرى بلاغاً وتعليقاً أو انقطاعاً، ولم یجلس للتحديث كعادة المحدثين ولهذا قلت روايته فی الحديث الخ“

[مقدمہ کتاب الآثار]

”امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے احادیث و آثار پر مشتمل کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی جس طرح امام مالک رحمہ اللہ نے الموطأ لکھی ہے۔ امام صاحب اپنے تلامذہ کو فقہی فروع و مسائل لکھواتے تھے اور جب کسی مسئلہ میں دلیل کی ضرورت محسوس کرتے تو اپنے شیوخ سے مرفوع، موقوف اور آثار تابعین کبھی متصل سند سے، کبھی بلاغاً اور تعلیقاً یا منقطع روایت بیان فرما

دیتے۔ حدیث کی تعلیم و تدریس کے لیے محدثین کی طرح انھوں نے مجلس قائم نہیں کی اسی لیے حدیث میں ان کی روایات کم ہیں۔“

اس کے بعد انھوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ البتہ ان کے تلامذہ نے ان سے جو آثار سنے تھے انھیں فقہی ابواب کی ترتیب پر مرتب کیا ہے۔ جیسا کہ قاضی ابو یوسف کی کتاب الآثار اور ”مسند ابی یوسف“ ہے جسے ”نسخۃ ابی یوسف“ بھی کہا گیا ہے۔ اور امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ نے دو کتابیں لکھیں ایک میں آثار مرفوعہ ہیں جو ”مسند“ ہے اور دوسری ”کتاب الآثار“ ہے جس میں مرفوع اور مقوف روایات ہیں۔ اور امام حسن بن زیاد دلولی نے بھی سند لکھی جسے مسند الحسن یا نسخۃ الحسن کہا گیا۔“ [ایضاً]

عرض ہے کہ حسن دلولی کی اسی سند کی سند علامہ خوارزمی نے اپنی سند سے محمد بن ابراہیم بن حیش ^(۱) عن محمد بن شجاع ^(۲) عن حسن دلولی تک نقل کی ہے اور اس کی روایات کو بعض نے ”الآثار“ سے تعبیر کیا ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے لسان المیزان [ج: ۵، ص: ۳۱] میں محمد بن ابراہیم بن حیش ^(۳) کے ترجمہ کے تحت ذکر کیا ہے۔ لیکن لسان میں الحسن بن زیاد دلولی عن محمد بن الحسن عن ابی حذیفہ کتاب الآثار“ ہے۔ مگر اس میں ”محمد بن الحسن“ کا واسطہ غلط ہے جیسا کہ المؤلف للدارقطنی [ج: ۲، ص: ۶۸۹] اور جامع المسانید سے عیاں ہوتا ہے۔ ان میں یہ واسطہ نہیں۔ مولانا ابوالوفاء افغانی مرحوم کی اس تحقیق و تنقیح کے عرصہ بعد مولانا عبدالرشید نعمانی مرحوم نے ”تأمس الحاجۃ“ میں اور پھر ”ابن ماجہ اور علم حدیث“ میں (جنہیں وہ اول الذکر ۳۳۷ھ میں اور ثانی الذکر ۱۳۷۶ھ میں ضبط تحریر میں لائے، جیسا کہ دونوں کے اختتام پر خود انھوں نے ذکر کیا ہے۔) وہ انکشافات فرمائے جن کا اشارہ ابھی ہم کر آئے ہیں۔ ان کے انکشافات کے بعد اور تو کیا مولانا ابوالوفاء افغانی بھی نعمانی صاحب کی فکر کا شکار ہو گئے۔

چنانچہ کتاب الآثار امام محمد کے جب انھوں نے حواشی اور اس پر

طویل مقدمہ لکھا تو اس میں انھوں نے بھی یہی فرمایا کہ علم حدیث میں سب سے پہلی کتاب امام ابو حذیفہ کی ”کتاب الآثار“ ہے اور امام محمد، قاضی ابو یوسف، امام زفر اور ابن زیادہ دلولی کی کتاب الآثار اس کے مختلف نسخے ہیں۔ امام مالک نے موطا میں امام صاحب کی متابعت کی ہے۔

قارئین کرام! انصاف فرمائیں کہ حضرت موصوف نے ”مقدمہ کتاب الآثار لابی یوسف“ میں جو کچھ فرمایا اور جن مقدمات کے تحت فرمایا کیا اس کے برعکس اب ثابت ہو گیا ہے کہ امام ابو حذیفہ نے محدثین کی طرح درس حدیث کی مجلس سجاتی تھی؟ اور کتاب الآثار امام ابو حذیفہ کی ہے؟ مولانا نعمانی کی کورانہ اتباع میں جو کچھ فرمایا وہ بس ”مقدمہ کتاب الآثار لابی یوسف“ کی الٹی صورت ہے۔ پہلے انہی مسلمات کے باوجود امام صاحب کی حدیث کے بارے میں کتاب کی نفی، پھر وہی مسلمات ہیں جو کتاب الآثار کے نسخے ثابت کرنے میں پیش کیے جاتے ہیں۔ دراصل یہ حضرات مدینہ طیبہ کی بجائے کوفہ کو مرکز علم باور کرانے کے درپے ہیں۔ کتاب الآثار کو پہلی مدونہ کتاب بلکہ صحیح احادیث پر مشتمل پہلا مجموعہ قرار دینے کی سعی بلیغ کر رہے ہیں۔ مولانا نعمانی ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

”کتاب الآثار“ وهو أم الأم رغم إعراض من

أعرض عنه۔“ [الامام ابن ماجہ، ص: ۱۸۴] یعنی جو اس حقیقت کو نہیں مانتا اس کے انکار کے علی الرغم ”کتاب الآثار“ موطا کی اصل اور ماں ہے۔ یہی بات انھوں نے ذرا تفصیل سے ص: ۹ پر فرمائی ہے۔ کتاب الآثار کے مقدمہ، ص: ۲۱ میں بھی لکھتے ہیں: ”کتاب الآثار صحیحین کی أم الام ہے۔“ نیز لکھتے ہیں:

”آج امت کے پاس احادیث صحیحہ کی سب سے قدیم ترین

کتاب یہی ”کتاب الآثار“ ہے۔“ [ابن ماجہ اور علم حدیث، ص: ۱۵۹]

”کتاب الآثار میں جو احادیث ہیں وہ موطا کی روایات سے

قوت و صحت سے کم نہیں..... موطا کو کتاب الآثار سے وہی نسبت

(۱)..... جامع المسانید میں ”حنیس“ ہے جب کہ صحیح حیش ہے۔ لسان ج: ۵، ص: ۳۱ میں ”حسن“ بھی غلط ہے۔ البتہ لسان، ج: ۵، ص: ۲۵ میں درست ہے۔

(۲)..... جامع المسانید اور لسان میں ”الحشی“ غلط ہے۔ جامع المسانید کا مطبوعہ نسخہ بہت سے اغلاط اور تصحیفات سے بھرا ہوا ہے۔

(۳)..... لسان، ج: ۵، ص: ۳۱ میں بھی ”حیش“ کی جگہ حسن اور ابن شجاع الحشی کی بجائے الحشی غلط طبع ہوا ہے۔ البتہ ج: ۵، ص: ۲۵ میں حیش ہے۔

ہے جو صحیح مسلم کو صحیح بخاری سے ہے۔“ [ایضاً: ص: ۱۶۲، ۱۶۳]
 ”غرض کتاب الآثار، قرآن پاک کے بعد کتب خانہ اسلام کی
 دوسری کتاب ہے جو ابواب پر مرتب و مدون ہوئی اور جس میں
 صرف ان ہی احادیث اور آثار و فتاویٰ نے جگہ پائی کہ جن کی
 روایت ثقات اور اقیانے امت میں برابر چلی آتی ہے۔“

[ایضاً: ص: ۱۶۵]

ہم یہاں اس بحث میں پڑنا مناسب نہیں سمجھتے کہ حدیث کا مدون
 اولیٰ کون ہے اور کیا ”کتاب الآثار“ واقعی امام ابو حنیفہ کی کتاب ہے۔
 بلکہ ہم یہاں اس دعویٰ کا جائزہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنا
 چاہتے ہیں کہ کیا واقعی یہ ”ام الام“ ہے، کیا صحیح حدیث کا اولین مجموعہ
 ہے؟ اور اس کی موطا امام مالک سے وہی نسبت ہے جو صحیح مسلم کو صحیح
 بخاری سے ہے۔

ہم یہاں اس بحث میں بھی جانا مناسب نہیں سمجھتے کہ ”کتاب
 الآثار“ کے جامع امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ کا روایت حدیث میں کیا
 مرتبہ ہے۔ قاضی ابویوسف رحمہ اللہ جو ان کے استاد بھائی اور استاد بھی ہیں
 ان کی رائے امام شیبانی رحمہ اللہ کے بارے میں کیا ہے۔ امام یحییٰ بن معین،
 جنہیں حنفی باور کرایا جاتا ہے، ان کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ میزان
 جرح و تعدیل میں ان کا کیا مرتبہ ہے۔ اسی طرح امام شیبانی رحمہ اللہ کے
 استاد امام ابو حنیفہ جنہیں کتاب الآثار کا اصل مدون قرار دیا جا رہا ہے ائمہ
 جرح و تعدیل کے نزدیک ان کی روایات کی کیا پوزیشن ہے۔ یہ مباحث
 جہاں تطویل کا باعث، وہاں ان کے بارے میں آراء مختلف قرار دے کر
 اس سے اغماض کیا جائے گا۔ اس لیے ہم اس کی بجائے اُن نکات کے
 حوالے سے بحث کرنا چاہتے ہیں جن میں اس نوعیت کے شک و شبہ کی
 گنجائش نہیں۔

چنانچہ عرض ہے کہ امام ابن الصلاح نے اپنے مقدمہ علوم
 الحدیث میں فرمایا تھا کہ سب سے پہلے جس نے صحیح احادیث کو جمع کیا وہ
 امام بخاری ہیں۔ مگر معروف حنفی محدث علامہ علاء الدین مغلطی نے
 اس پر مواخذہ کیا ہے اور اپنی کتاب ”اصلاح کتاب ابن الصلاح“ میں
 اس پر نقد و تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

”قوله أول من صنف الصحيح البخاري وتلاه
 مسلم، غير جيد، وان كان قد قاله قبله غيره
 لأن مالكا رحمه الله بلا خلاف بين
 المحدثين صنف الصحيح قبله“ الخ

[اصلاح، ج: ۲، ص: ۶۲]

”ابن الصلاح کا کہنا کہ سب سے پہلے ”اصحح“ پر تصنیف امام
 بخاری رحمہ اللہ کی ہے اور ان کے پیچھے امام مسلم رحمہ اللہ ہیں، صحیح
 نہیں، اگرچہ یہ بات ان سے پہلے بھی دوسرے حضرات نے
 کہی ہے، کیوں کہ اس میں محدثین کے ہاں کوئی اختلاف
 نہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ نے ان سے پہلے ”الصحيح“
 تصنیف کی ہے۔“

علامہ مغلطی کے کلام میں کیا گھپلا ہے حافظ ابن حجر نے النکت
 [ج: ۱، ص: ۲۷۷، ۲۸۰] میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ مگر ہمارا یہ
 موضوع نہیں۔ ہم قارئین کی توجہ اس طرف مبذول کرنا چاہتے ہیں کہ
 علامہ مغلطی حنفی ہونے کے باوصف حافظ ابن الصلاح وغیرہ کی تردید
 میں صحیح بخاری کی بجائے موطا کو پہلی صحیح کتاب قرار دیتے ہیں۔ مگر
 ”کتاب الآثار“ کا نام آخر کیوں نہیں لیتے؟

موطا کو پہلی صحیح کتاب قرار دینے والے امام شافعی ہیں۔ جیسا کہ
 التذکرہ [ج: ۱، ص: ۲۰۸]، النکت [ج: ۱، ص: ۲۷۹] وغیرہ کتب میں ہے
 کہ کتاب اللہ کے بعد امام مالک کی کتاب سے بڑھ کر کوئی صحیح کتاب
 نہیں۔ قابل غور بات یہ ہے کہ امام شافعی، جن کے بارے میں کہا جاتا
 ہے کہ وہ امام محمد کے شاگرد اور مداح تھے، نے بھی صحیح حدیث کا اولین
 مجموعہ قرار دیا ہے تو موطا کو، کتاب الآثار کو نہیں۔

غرض یہ کہ صحیح بخاری سے پہلے معروف قول کے مطابق موطا کو
 اولین صحیح کتاب قرار تو دیا گیا ہے مگر ”کتاب الآثار“ کو اولین صحیح کتاب
 کہنا چودھویں صدی کی ”بدعت“ ہے۔ اس سے پہلے اس دعویٰ کی تائید
 قطعاً نہیں ہوئی۔ [جاری ہے]



اسلامی مہینے اور ان کا تعارف ⑥

مولانا محمد ارشد کمال

”رمضان کے بعد سب مہینوں سے زیادہ فضیلت والے روزے اللہ کے مہینے محرم کے ہیں۔“
یعنی سب سے افضل روزے تو ماہ رمضان ہی کے ہیں تاہم رمضان کے بعد سب مہینوں سے زیادہ فضیلت والے روزے محرم الحرام کے ہیں۔

④..... ماہ رمضان کے روزے اہل ایمان کی بخشش اور مغفرت کا ذریعہ ہیں جیسا کہ پیچھے حدیث گزر چکی ہے۔

قیام: ماہ رمضان میں کیے جانے والے خصوصی اعمال میں سے ایک عمل قیام رمضان بھی ہے گو یہ فرض تو نہیں تاہم انتہائی اہمیت و فضیلت کے پیش نظر مسنون اور مستحب ضروری ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص اس سے غفلت برتے تو وہ بہت بڑے اجر و ثواب سے محروم رہ جاتا ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ اپنے اصحاب کو اس کی بڑی ترغیب دلایا کرتے تھے۔

چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:
كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُرَغِّبُ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَأْمُرَهُمْ فِيهِ بِعَزِيمَةٍ، فَيَقُولُ: «مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ» [مسلم، کتاب صلاة المسافرين، باب الترغيب في قيام رمضان وهو التراويح، رقم: ۷۵۹]

”رسول اللہ ﷺ قیام رمضان کی ترغیب دیا کرتے تھے بغیر اس کے کہ آپ واجب طور پر انھیں حکم دیں۔ آپ فرماتے: ”جو شخص ایمان کے ساتھ حصولِ ثواب کی نیت سے رمضان کا قیام کرے اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔“

ان آیاتِ بینات سے یہ بات واضح ہوئی کہ ماہ رمضان کے روزے تمام اہل ایمان پر فرض کیے گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کے روزے فرض کر دیے ہیں۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں سنن نسائی کے حوالے سے حدیث گزر چکی ہے۔ اسی طرح سنن نسائی وغیرہ کی وہ حدیث جس میں ہے کہ ایک اعرابی نے جب آپ سے فرائض اسلام کے متعلق پوچھا تو آپ نے رمضان کے روزے کا بھی ذکر فرمایا۔ نیز حدیث ضام بن ثعلبہ اور حدیث ارکان اسلام کے علاوہ متعدد احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ماہ رمضان کے روزے فرض ہیں اور پھر اجماع امت اس پر مستزاد ہے۔

⑤..... ماہ رمضان کا روزہ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:
«بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ» [بخاری، کتاب الایمان، باب دعائکم ایمانکم، رقم: ۸]

”اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم کی گئی ہے اول گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد ﷺ کے (سچے) رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔“

⑥..... رمضان المبارک کے روزے تمام روزوں سے افضل ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
«أَفْضَلُ الصَّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللَّهِ الْمُحَرَّمُ»

[مسلم، کتاب الصیام، رقم: ۱۱۶۳]

قیام رمضان کے حوالے سے چند اہم باتیں:

①..... قیام رمضان دراصل تہجد ہی کی نماز ہے جسے رمضان میں تراویح کہا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

والتراویح جمع ترویحة وهي المرة الواحدة من الراحة كتسليمة من السلام۔ سميت الصلاة في الجماعت في ليالي رمضان التراویح لانهم اول ما اجمعوا عليها كانوا يستريحون بين كل تسليمتين

[فتح الباری: ۴/۳۱۷]

”تراویح ترویج کی جمع ہے جو راحت سے مشتق ہے یعنی آرام جیسے تسلیمة سلام سے مشتق ہے۔ رمضان کی راتوں میں جماعت سے (نفل) نماز ادا کرنے کو تراویح کہا جاتا ہے اس لیے کہ شروع میں لوگ ہر دو سلام کے بعد کچھ دیر آرام کیا کرتے تھے۔“

یاد رہے کہ نماز تراویح کو قیام اللیل، صلاۃ اللیل بھی کہا جاتا ہے جب کہ حقیقت میں یہ (قیام رمضان، تہجد، صلاۃ اللیل یا قیام اللیل وغیرہ) سب ایک ہی نماز کے مختلف نام ہیں۔ تاہم غیر رمضان کی بہ نسبت رمضان المبارک میں اسے ادا کرنے کی زیادہ تاکید اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔

②..... قیام رمضان یا نماز تراویح کا وقت عشاء کی نماز کے بعد سے لے کر فجر کی اذان تک رہتا ہے اس دوران اسے کسی بھی وقت ادا کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي فِيْمَا بَيْنَ أَنْ يَفْرُغَ مِنْ صَلَاةِ الْعِشَاءِ وَهِيَ الْتِي يَدْعُوا النَّاسُ الْعَتَمَةَ - إِلَى الْفَجْرِ إِحْدَى عَشَرَ رَكْعَةً يُسَلِّمُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَيُؤْتِرُ بِوَاحِدَةٍ - [مسلم، کتاب صلاة المسافرين، باب

صلاة اللیل، رقم: ۷۳۶]

”رسول اللہ ﷺ نماز عشاء جسے لوگ عتمہ بولتے ہیں اور نماز فجر کے درمیان گیارہ رکعات ادا فرماتے۔ ہر دو رکعت کے بعد

سلام پھیرتے اور ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔“

وقت کی اسی وسعت اور گنجائش کی وجہ سے نماز تراویح کو عشاء کے فوراً بعد بھی پڑھ لیا جاتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ قیام رمضان کی فضیلت حاصل کر سکیں۔ تاہم پھر بھی رات کے آخری حصے میں ادا کرنا زیادہ اجر و ثواب کا مستوجب ہے۔ سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« يَا أَيُّهَا النَّاسُ: أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوا وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ » [ترمذی، کتاب

صفة القيامة، رقم: ۲۴۸۵ وقال هذا حديث صحيح]

”اے لوگو! سلام عام کرو، کھانا کھلایا کرو، رات کو جب لوگ سو رہے ہوں تو تم نماز پڑھا کرو، سلامتی کے ساتھ جنت میں چلے جاؤ گے۔“

اسی طرح سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« رحم الله رجلا قام من الليل فصلى وايقظ امراته فصلت فان ابت رش في وجهها الماء - رحم الله امرأة قامت من الليل فصلت وايقظت زوجها فصلى فان ابى رشت في وجهه الماء » [ابن ماجہ، کتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء فيمن ايقظ اهله من الليل، رقم:

۱۳۳۶ وسنده حسن ان شاء الله]

”اللہ تعالیٰ اس مرد پر رحم فرمائے جس نے رات کو اٹھ کر نماز پڑھی اور اپنی بیوی کو جگایا پھر اس نے بھی نماز پڑھی اگر اس کی بیوی نے جاگنے سے انکار کیا تو اس (مرد) نے اس کے منہ پر پانی کے چھینے مارے۔ اللہ تعالیٰ اس عورت پر بھی رحم فرمائے جس نے رات کو اٹھ کر نماز پڑھی اور اپنے خاوند کو جگایا تو اس نے بھی نماز پڑھی اگر خاوند نے اٹھنے سے انکار کر دیا تو عورت نے اس کے منہ پر پانی کے چھینے مارے۔“

اسی طرح ایک حدیث میں آتا ہے کہ رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے انتہائی قریب ہو جاتے ہیں۔ اگر تم اس وقت

اللہ کو یاد کرنے والوں میں شامل ہو سکو تو ہو جاؤ۔“

[ترمذی، کتاب الدعوات، رقم: ۳۵۷۹۔ وقال ہذا حدیث حسن صحیح]

نیز احادیث مبارکہ سے پتا چلتا ہے کہ نبی ﷺ کا اکثر معمول رات کے آخری حصے میں ہی نماز پڑھنے کا تھا۔ آپ ﷺ رات کے اوّل حصے میں سوتے تھے اور آخری حصے میں نماز پڑھتے تھے۔

[بخاری، رقم: ۱۱۳۶]

یہ آپ کا اکثر معمول تھا اور نہ آپ نے رات کے سبھی حصوں میں نماز ادا کر کے امت پر آسانی فرمائی ہے جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب ہم رسول اللہ ﷺ کو رات تہجد پڑھتے ہوئے دیکھنا چاہتے تو ہم آپ کو اس حالت میں دیکھ لیتے تھے اور اگر ہم آپ کو سویا ہوا دیکھنا چاہتے تو دیکھ لیتے تھے۔ [بخاری، رقم: ۱۱۳۶]

سیدنا عمر بن خطاب نے اپنے دور خلافت میں جب اس نماز کی جماعت کا باقاعدہ اہتمام فرمایا تو ایک دن لوگوں کو رات کے اوّل حصے میں باجماعت تراویح ادا کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا:

وَالَّتِي يَنَامُونَ عَنْهَا أَفْضَلُ مِنَ الَّتِي يَقُومُونَ يُرِيدُ
آخِرَ اللَّيْلِ وَكَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ أَوَّلَهُ - [بخاری،
کتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، رقم:

[۲۰۱۰]

”رات کا وہ حصہ جس میں یہ لوگ سو جاتے ہیں اس حصے سے بہتر اور افضل ہے جس میں یہ نماز پڑھتے ہیں۔ حضرت عمر کی مراد رات کے آخری حصے (کی فضیلت) سے تھی۔ کیوں کہ لوگ یہ نماز رات کے شروع ہی میں پڑھ لیتے تھے۔“

بہر حال نماز تراویح کا عشاء کے فوراً بعد پڑھ لینا جائز جب کہ دیر سے یعنی رات کے آخری حصے میں پڑھنا زیادہ فضیلت کا حامل ہے۔

⑤..... نماز تراویح باجماعت یا جماعت کے بغیر ادا کرنا دونوں طرح جائز اور درست ہے۔ تاہم باجماعت ادا کرنے میں زیادہ فضیلت ہے۔ سیدنا ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفِدِّ بِسَبْعٍ وَعَشْرِينَ
دَرَجَةً» [بخاری، کتاب الاذان، باب فضل صلاة

الجماعة، رقم: ۶۴۵]

”باجماعت نماز اکیلے شخص کی نماز سے ستائیس درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔“

اس حدیث کے عموم میں نماز تراویح کی جماعت بھی شامل ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز تراویح کی جماعت کروائی ہے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات مسجد میں نماز تراویح پڑھی لوگوں نے بھی آپ کی اقتداء میں پڑھی پھر دوسری رات جب آپ نے پڑھی تو مقتدی زیادہ ہو گئے پھر تیسری رات بھی ایسے ہوا چوتھی رات جب لوگ (زیادہ) جمع ہو گئے تو آپ گھر سے تشریف ہی نہ لائے۔ جب صبح ہوئی تو نماز فجر ادا کرنے کے بعد آپ نے فرمایا:

«أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّهُ لَمْ يَخَفْ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ وَلَكِنِّي خَشِيتُ
أَنْ تُفَرِّصَ عَلَيَّكُمْ فَتَعْجِزُوا عَنْهَا» [بخاری، کتاب
صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، رقم: ۲۰۱۲]
”اما بعد! مجھے تمہارے یہاں جمع ہونے کا علم تھا لیکن مجھے خوف
اس بات کا ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے اور پھر تم
اس کی ادائیگی سے عاجز ہو جاؤ۔“ ابوداؤد کی روایت میں ہے
وذلك في رمضان يعني یہ رمضان کی بات ہے۔

[ابوداؤد، رقم: ۱۳۷۳]

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے آپ نے ہمارے ساتھ کوئی قیام نہ کیا حتیٰ کہ مہینے میں ایک ہفتہ باقی رہ گیا تو آپ نے ہمیں قیام کروایا حتیٰ کہ تہائی رات ہو گئی۔ جب (آخر سے) چھٹی رات آئی تو آپ نے قیام نہ کرایا۔ جب پانچویں رات آئی تو ہمیں قیام کروایا حتیٰ کہ آدھی رات گزر گئی۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کاش ہمیں آپ بقیہ رات بھی اس کا قیام کروادیتے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا صَلَّى مَعَ الْإِمَامِ حَتَّى يَنْصَرِفَ حُسِبَ لَهُ
قِيَامُ اللَّيْلِ»

”انسان جب امام کے ساتھ (باجماعت) نماز پڑھتا ہے، اور اس کے فارغ ہونے تک اس کے ساتھ رہتا ہے تو اس کے لیے پوری رات کا قیام شمار کیا جاتا ہے۔“

جب چوتھی رات آئی تو آپ نے قیام نہ کروایا۔ جب تیسری رات آئی تو آپ نے اپنے اہل خانہ، خواتین اور دوسرے لوگوں کو جمع فرمایا اور ہمیں (انتالہبا) قیام کرایا کہ ہمیں فکر لاحق ہوئی کہ کہیں ہماری سحری ہی نہ رہ جائے۔ [ابوداؤد، کتاب تفریح ابواب شہر رمضان، باب فی قیام شہر رمضان، رقم: ۱۳۷۵ ص ۱۳]

ان احادیث سے بصراحت واضح ہو گیا کہ نماز تراویح باجماعت ادا کرنا نہ صرف جائز بلکہ افضل ہے۔ نبی ﷺ نے تین راتوں میں مسجد آ کر اجتماعی طور پر صحابہ کرام کے ساتھ قیام کر کے ثابت فرمادیا کہ یہ مستحب و مسنون ہے۔ بعد ازاں اس ڈر سے کہ کہیں یہ نماز باجماعت ادا کرنے کی وجہ سے فرض نہ ہو جائے اور پھر امت اس کی ادائیگی سے عاجز ہو کر گناہ گار ہو جائے۔ لہذا اسے جماعت سے پڑھانا ترک کر دیا پھر رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں معاملہ اسی طرح رہا کہ کچھ لوگ باجماعت اور کچھ لوگ انفرادی طور پر اسے ادا کرتے تھے۔ تا آنکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تمام لوگوں کو ایک ہی امام کی اقتدا میں مستقل طور پر جمع فرما دیا۔ چنانچہ عبدالرحمن بن عبدالقاری بیان کرتے ہیں کہ میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رمضان کی ایک رات کو مسجد میں گیا سب لوگ متفرق اور منتشر تھے کوئی اکیلا نماز پڑھ رہا تھا اور کچھ کسی کے پیچھے کھڑے ہوئے (باجماعت پڑھ رہے) تھے۔ اس پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ اگر تمام لوگوں کو ایک ہی قاری کے پیچھے جمع کر دوں تو زیادہ اچھا ہوگا۔ چنانچہ انھوں نے یہی ٹھان کر سیدنا ابی بن کعب کو ان سب کا امام بنادیا۔ پھر ایک رات آپ نکلے دیکھا کہ لوگ اپنے امام کے پیچھے نماز تراویح (باجماعت) پڑھ رہے ہیں تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ نیا طریقہ بہتر اور مناسب ہے۔ [بخاری، رقم: ۲۰۱۰]

یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سیدنا عمر کے لوگوں کو ایک امام کی

اقتدا میں جمع کرنے سے پہلے بھی بعض لوگ نماز تراویح باجماعت ادا کیا کرتے تھے۔ اور پھر یہ کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد چوں کہ فرضیت والا خطرہ باقی نہ رہا تھا اس لیے صحابہ کرام نے پھر مستقل طور پر ایک ہی امام کے پیچھے اسے باجماعت ادا کرنے کا اہتمام کر دیا۔ آج اگر کوئی سر پھر اس عمل کو ناجائز اور بدعت گردانے تو وہ بے علم، بے عمل اور دشمن صحابہ ہوگا۔ کیوں کہ اہل علم جانتے ہیں کہ امت میں آج تک کسی نے اسے بدعت نہیں کہا۔

⑤..... جہاں تک رکعات تراویح کی تعداد کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں نبی ﷺ کا عام معمول و ترسمیت گیارہ رکعات ہی کا تھا۔ تاہم بسا اوقات آپ تیرہ رکعات بھی ادا فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ابوسلمہ بن عبدالرحمن راوی ہیں کہ انھوں نے سیدہ عائشہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی رمضان میں (رات کی) نماز کیسی ہوتی تھی؟ سیدہ عائشہ نے جواب دیا:

مَا كَانَ يَزِيدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً - [بخاری، کتاب التراویح، باب فضل من قام رمضان، رقم: ۲۰۱۳]

”رمضان ہوتا یا غیر رمضان آپ ﷺ گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔“

✽..... سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے:

ان رسول اللہ ﷺ كان يصلي بالليل إحدى عشرة ركعة ويوتر منها بواحدة - الخ [مسلم، کتاب صلاة المسافرين، باب صلاة الليل، رقم: ۷۳۶]

”بلاشبہ رسول اللہ ﷺ رات کو گیارہ رکعات ادا فرماتے جن میں سے ایک وتر ہوتا تھا۔“

✽..... سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

كان رسول الله ﷺ يصلي من الليل ثلاث عشرة ركعة يوتر من ذلك بخمس - [ایضاً، رقم: ۷۳۷]

”رسول اللہ ﷺ رات کو تیرہ رکعات ادا فرماتے جن میں پانچ وتر ہوتے تھے۔“

.....سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

صلی بنا رسول اللہ مسلم فی رمضان ثمان رکعات و الوتر - [ابن خزیمہ: ۲/ ۱۳۸، رقم:

۱۰۷۰ وسندہ حسن]

”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں رمضان میں نماز پڑھائی، آپ نے آٹھ رکعات اور وتر پڑھے۔“

..... اسی طرح سیدنا عمر بن خطاب نے سیدنا ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ لوگوں کو (نماز تراویح) گیارہ رکعات پڑھائیں۔

[موطا امام مالک، کتاب صلاۃ اللیل، رقم: ۲۴۹ سندہ صحیح]

.....سیدنا ابی بن کعب اور تمیم داری رمضان میں لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھاتے تھے۔

[مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۹۲/۲ دوسرا نسخہ: ۲۲۰/۵ سندہ صحیح]

معلوم ہوا کہ رکعات تراویح کی مسنون تعداد وتر سمیت گیارہ ہے۔ اسی پر خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام کا عمل تھا۔ امام مالک فرماتے ہیں:

الذی آخذ لنفسی فی قیام رمضان هو الذی جمع به عمر بن الخطاب الناس احدى عشرة رکعة وهی صلاة رسول الله ﷺ ولا أدری من احدث هذا الركوع الكثير - [کتاب التهجید، ص: ۱۷۶ دوسرا نسخہ، ص: ۲۸۷]

”میں تو اپنے لیے گیارہ رکعات تراویح کا قائل ہوں اسی پر سیدنا عمر بن خطاب نے لوگوں کو جمع کیا تھا اور یہی رسول اللہ ﷺ کی نماز تھی۔ میں نہیں جانتا کہ لوگوں نے یہ بہت سی رکعتیں کہاں سے نکال لی ہیں۔“

علامہ ابوبکر بن العربی فرماتے ہیں:

والصحيح ان یصل احدى عشرة رکعة صلاة النبی ﷺ وقيامه فاما غیر ذلك من الاعداد فلا اصل له - [عارضۃ الاحوذی: ۱۹/۴]

”صحیح بات تو یہی ہے کہ (نماز تراویح) گیارہ رکعات ہی پڑھنی چاہیے یہی نبی ﷺ کی نماز اور قیام ہے اس کے علاوہ جو اعداد ہیں تو ان کی کوئی اصل (کتاب و سنت میں) نہیں۔“

(۵)..... آخری بات یہ ہے کہ کیا تراویح اور تہجد دو الگ نمازیں

ہیں یا ایک ہی نماز کے دو مختلف نام ہیں؟

اس سوال کا جواب آسان ہے کہ تہجد اور تراویح ایک ہی نماز کے دو مختلف نام ہیں۔ عام دنوں میں جسے نماز تہجد کہا جاتا ہے وہی رمضان میں نماز تراویح کہلاتی ہے۔ حافظ عبد اللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تہجد اور تراویح ایک ہی ہے۔ مغایرت اسی اس طرح کی ہے جیسے دریائے برہم پتر، سانپر، مینگھنا۔ یہ تینوں ایک دریا کے نام ہیں جو جھیل مانسرو کوہ ہمالیہ کی جانب شمال سے نکلتا ہے۔ اسی طرح انک، سندھ وغیرہ دریا ایک ہی ہے جس علاقہ سے گزرا اس کے نام سے موسوم ہو گیا۔ ٹھیک اسی طرح تراویح ہے رمضان میں اسی تہجد کا نام تراویح رکھ دیا گیا۔ کیوں کہ چار پڑھ کر ذرا توجہ کرتے ہیں یعنی ٹھہر جاتے ہیں پھر یہ نام بھی رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے زمانے میں نہ تھا بلکہ اس کو اس وقت قیام رمضان کے نام سے موسوم کرتے تھے جو بالکل دریا کی مثال مذکورہ کے موافق ہے جہاں سے گزرا وہاں کے نام سے موسوم ہو گیا۔

[فتاویٰ اہل حدیث: ۱/ ۶۳۹]

مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ فرمائیں: آپ کے مسائل اور ان

کا حل: ۳۰/۱ تا ۳۰/۴

تلاوت: ماہ رمضان میں جن اعمال کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے ان میں تلاوت قرآن مجید بھی ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جہاں رمضان کے روزوں کی فرضیت ذکر کی وہاں اس کے ساتھ ہی ماہ رمضان کی یہ خصوصیت بھی بیان فرمائی:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ﴾ [البقرة: ۱۸۵]

”ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لیے باعث ہدایت ہے اور اس میں ہدایت کی اور حق و باطل میں تیزکی واضح دلیلیں ہیں۔“

معلوم ہوا کہ قرآن اور رمضان کا بڑا گہرا تعلق ہے اس لیے اس مہینے میں قرآن مجید کی زیادہ سے زیادہ تلاوت کرنی چاہیے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

وكان جبريل عليه السلام يلقاه كل ليلة في رمضان حتى ينسلخ، يعرض عليه النبي ﷺ القرآن - [بخاری، کتاب الصوم، باب اجود ما كان النبي ﷺ يكون في رمضان، رقم: ۱۹۰۲]

”جبریل علیہ السلام آپ ﷺ سے رمضان کی ہر رات کو ملتے تو نبی ﷺ انھیں قرآن مجید سناتے۔“

ایک روایت میں ہے:

وكان يلقاه في كل ليلة من رمضان فيُدارسه القرآن - [بخاری، کتاب بدء الوحي، رقم: ۶]

”جبریل امین رمضان المبارک میں ہر رات رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کرتے تو آپ ﷺ کے ساتھ قرآن مجید کا دور کیا کرتے تھے۔“

مولانا داؤد راز دہلوی فرماتے ہیں: یہ نزول قرآن لوح محفوظ سے بیت العزت میں سماء دنیا کی طرف تھا پھر وہاں سے آنحضرت ﷺ پر نزول بھی رمضان شریف ہی میں شروع ہوا اس لیے رمضان شریف قرآن کریم کے لیے سالانہ یادگار مہینہ قرار پایا اور اسی لیے اس ماہ مبارک میں آپ ﷺ اور جبریل علیہ السلام قرآن مجید کا باقاعدہ دور فرمایا کرتے تھے۔ [بخاری مترجم: ۱۶۱/۳]

اعتکاف: ماہ رمضان کے خصوصی اعمال میں سے ایک اعتکاف بھی ہے۔ تمام دنیاوی مصروفیات ترک کر کے محض عبادت کی نیت سے مسجد میں آکر ٹھہرنے کو اعتکاف کہتے ہیں۔ یہ مبارک عمل نبی کریم ﷺ کی سنت موکدہ سے ثابت ہے۔ کیوں کہ آپ ﷺ اپنی مدنی زندگی میں ہر سال ماہ رمضان کا جب آخری عشرہ شروع ہوتا تو مسجد میں آکر اعتکاف فرماتے۔ ایک سال کسی سفر کی وجہ سے یہ عمل چھوٹ گیا تو اگلے سال آپ نے بیس دن کا اعتکاف کیا۔ چنانچہ سیدنا ابی بن کعب بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف کیا کرتے

تھے ایک سال آپ (آخری عشرے کے دوران) سفر میں تھے تو جب اگلا سال آیا، آپ نے بیس دن کا اعتکاف کیا۔ [ابن ماجہ، کتاب الصیام، باب ماجاء في الاعتكاف، رقم: ۱۷۷۰؛ ابوداؤد، رقم: ۲۴۶۳ وسندہ صحیح]

اسی طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کیا کرتے تھے۔ میں آپ کے لیے (مسجد میں) ایک خیمہ لگا دیتی اور آپ صبح کی نماز پڑھ کر اس میں چلے جاتے۔ پھر سیدہ حفصہ نے بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے خیمہ کھڑا کرنے کی اجازت چاہی تو انھوں نے دے دی اور انھوں نے ایک خیمہ کھڑا کر لیا۔ جب سیدہ زینب بنت جحش نے دیکھا تو انھوں نے بھی اپنے لیے ایک خیمہ کھڑا کر لیا صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے کئی خیمے دیکھے تو فرمایا: ((مَا هَذَا)) ”یہ کیا ہے؟“ آپ کو ان کی حقیقت کی خبر دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((الْبَرُّ تَرَوْنَ بَهَنَ)) ”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ خیمے ثواب کی نیت سے کھڑے کیے گئے ہیں؟“ پھر آپ نے اس مہینے (رمضان) کا اعتکاف چھوڑ دیا اور شوال کے عشرے کا اعتکاف کیا۔

[بخاری، کتاب الاعتکاف، باب اعتکاف النساء، رقم: ۲۰۳۳]

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رمضان کے اعتکاف کی قضا کسی دوسرے مہینے میں بھی دی جاسکتی ہے۔

سیدنا ابن عمر فرماتے ہیں:

كان رسول الله ﷺ يعتكف العشر الاواخر من رمضان - [بخاری، کتاب الاعتکاف، رقم: ۲۰۲۵]

”یعنی رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کیا کرتے تھے۔“

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

ان النبي ﷺ كان يعتكف العشر الاواخر من رمضان حتى توفاه ثم اعتكف ازواجه من بعده -

[ایضاً، رقم: ۲۰۲۶]

”نبی ﷺ اپنی وفات تک مسلسل رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرتے رہے اور پھر آپ کے بعد آپ کی ازواج اعتکاف کرتی رہیں۔“

دیگر افعال خیر: ماہ رمضان میں ان مذکورہ بالا اعمال کے علاوہ نیکی و خیر کے دیگر جتنے بھی کام ہیں ان سب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے، مثلاً صدقہ و خیرات، دعوت و تبلیغ، دعا و مناجات، ذکر و اذکار، توبہ و استغفار، تعلیم و تعلم، صلہ رحمی وغیرہ یعنی خیر کے ان تمام کاموں کی طرف سبقت حاصل کرنی چاہیے۔ رسول کریم ﷺ کے متعلق سیدنا ابن عباس فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ خیر کے کاموں میں سب سے زیادہ سختی تھے۔ یہ سخاوت ماہ رمضان میں اس وقت اور بڑھ جاتی جب جبریل امین آپ سے ملاقات کرتے۔ اس وقت آپ تیز ہوا سے بھی زیادہ جلدی کرتے ہوئے خیر کے کاموں کی طرف سبقت لے جاتے تھے۔

[بخاری، کتاب بدء الوحی، رقم: ۶۰]

مولانا داؤد راز فرماتے ہیں جو دے کے معنی اعطاء ما ینبغی لمن ینبغی کے ہیں جو بہت زیادہ عموم لیے ہوئے ہے۔ پس جو د (سخاوت) مال ہی پر موقوف نہیں بلکہ جو شے بھی جس کے لیے مناسب ہو اسے دے دی جائے۔ اس لیے آپ اجداد الناس تھے۔ حاجت مندوں کے لیے مالی سخاوت، تشنگان علوم کے لیے علمی سخاوت، گمراہوں کے لیے فیوض روحانی کی سخاوت، الغرض آپ ہر لحاظ سے تمام بنی نوع انسان میں بہترین سختی تھے۔ آپ کی جملہ سخاوت کی تفصیلات کتب احادیث و سیر میں منقول ہیں۔ آپ کی جو د و سخاوت کی تشبیہ بارش لانے والی (تیز) ہواؤں سے دی گئی ہے جو بہت ہی مناسب ہے۔ باران رحمت سے زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ آپ کی جو د و سخاوت سے بنی نوع انسان کی اجڑی ہوئی دنیا آباد ہو گئی۔ ہر طرف ہدایات کے دریا بہنے لگے۔ خدا شناسی اور اخلاق فاضلہ کے سمندر موجیں مارنے لگے۔ آپ کی سخاوت اور روحانی کمالات سے ساری دنیائے انسانیت نے فیض حاصل کیے اور یہ مبارک سلسلہ تا قیام دنیا قائم رہے گا۔

[بخاری مترجم: ۳/۱۶۱، ۱۶۲]

گزشتہ سطور میں آپ حدیث ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ ماہ رمضان کی ہر رات ایک اعلان کرنے والا اعلان کرتا ہے:

یا طالب الخیر ہلم، ویا طالب الشر امسک -

[نسائی، رقم: ۲۱۰۸]

”اے خیر کے طالب، (خیر کی طرف) جلد آ، اے برائی کے طالب! (برائی سے) رک جا۔“

ماہ رمضان کا آخری عشرہ: ویسے تو رمضان المبارک کا پورا مہینہ ہی اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں سے لبریز ہے۔ لیکن اس کے آخری دس دن تو بہت ہی زیادہ فضیلت کے حامل ہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ ان میں عبادت کے لیے کمر کس لیتے تھے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

کان النبی ﷺ اذا دخل العشر شد مئزره واحیا لیلہ وایقظ اہلہ - [بخاری، کتاب لیلۃ القدر، باب

العمل فی العشر الاواخر من رمضان، رقم: ۲۰۲۴]

”جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو نبی ﷺ اپنی کمر کس لیتے اور ان راتوں میں خود بھی جاگتے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگایا کرتے تھے۔“

کمر کس لینے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس عشرے میں عبادت الہی کے لیے خاص محنت کرتے خود جاگتے گھر والوں کو چگاتے اور رات بھر عبادت الہی میں مشغول رہتے اور آنحضرت ﷺ کا یہ سارا عمل تعلیم امت کے لیے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

[الاحزاب: ۲۱]

اے ایمان والو! اللہ کے رسول (ﷺ) تمہارے لیے بہترین نمونہ ہیں۔ ان کی اقتدا کرنا تمہاری سعادت مندی ہے۔ یوں تو ہمیشہ ہی عبادت الہی کرنا بڑا کارِ ثواب ہے لیکن رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت الہی کرنا بہت ہی بڑا کارِ ثواب ہے۔ لہذا ان ایام میں جس قدر بھی عبادت ہو سکے غنیمت ہے۔ [بخاری مترجم داؤد راز: ۳/۲۵۱]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے کہ

کان رسول اللہ ﷺ یجتہد فی العشر الاواخر ما لا یجتہد فی غیرہ - [مسلم، کتاب الاعتکاف، باب الاجتہاد فی العشر الاواخر من شہر رمضان، رقم:

”رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں (عبادت میں) اتنی محنت کرتے جتنی اور دنوں میں نہیں کرتے تھے۔“

شب قدر: ماہ رمضان کو بالعموم اور اس کے آخری عشرے کو بالخصوص، چار چاند لگانے والی اصل چیز لیلۃ القدر، یعنی شب قدر ہے جسے قرآن میں لیلہ مبارکہ بھی کہا گیا ہے۔ اس رات کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿حَمْدٌ ۝ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۝ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَرَّكَةٍ ۝ إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ ۝ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ۝ أَمْرًا ۝ مِنْ عِنْدِنَا ۝ إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝﴾

[الدخان: ۱ تا ۵]

”حم، قسم ہے اس وضاحت والی کتاب کی۔ یقیناً ہم نے اسے بابرکت رات میں اتارا ہے بے شک ہم ڈرانے والے ہیں۔ اسی رات میں ہر ایک مضبوط کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ ہمارے پاس سے حکم ہو کر، ہم ہی رسول بنا کر بھیجنے والے ہیں۔“

ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ غَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنْزِيلُ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ ۝ سَلَّمَ ۝ دَقَّتْ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝﴾ [القدر: ۱ تا ۵]

”یقیناً ہم نے ہی اسے یعنی قرآن کو شب قدر میں نازل فرمایا۔ تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس میں ہر کام کے سرانجام دیئے گئے کو اپنے رب کے حکم سے فرشتے اور روح (جبریل) اترتے ہیں۔ یہ رات سراسر سلامتی کی ہوتی ہے اور فجر کے طلوع ہونے تک رہتی ہے۔“

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ﴾ [بخاری، کتاب الایمان، رقم: ۳۵]

”جس نے شب قدر میں حالت ایمان اور ثواب کی نیت سے قیام کیا اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔“

لیلۃ القدر اپنی تمام تر عظمتوں اور فضیلتوں سمیت ہر سال ماہ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں آتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

﴿تَحْرُوا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوَتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْآخِرِ مِنْ رَمَضَانَ﴾ [بخاری، کتاب لیلۃ القدر، باب تحری لیلۃ القدر فی الوتر، رقم: ۲۱۱۷]

”شب قدر کو ماہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔“

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں شب قدر کی خبر دینے کے لیے تشریف لارہے تھے کہ دو مسلمان آپس میں کچھ جھگڑا کرنے لگے تو آپ نے فرمایا:

﴿خَرَجْتَ لَا خَيْرَ لَكَ مِنْ بَلِيلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَا حِي فَفَلَانٌ وَفَلَانٌ فَرَفَعْتَ وَعَسَى أَنْ يَكُونَ خَيْرًا لَكَ مِنَ التَّمَسُّوهِاءِ فِي التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ﴾ [ایضاً، رقم: ۲۰۲۳]

”میں تمہیں شب قدر بتانے کے لیے نکلا تھا۔ لیکن فلاں اور فلاں نے آپس میں جھگڑا کر لیا تو اس (شب قدر) کا علم واپس اٹھا لیا گیا اور امید یہی ہے کہ تمہارے حق میں یہی بہتر ہوگا۔ لہذا اب تم اسے (رمضان کی) اکیسویں، تیسویں اور پچیسویں رات میں تلاش کرو۔“

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس شب قدر کا ذکر ہوا تو انھوں نے کہا: میں اسے کسی ایک رات میں تلاش نہیں کرتا۔ کیوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ آخری عشرے میں ہے اور یہ بھی سنا:

﴿الْتَّمَسُوْهَا فِي تِسْعِ يَبْقِيْنَ، اَوْ فِي سَبْعِ يَبْقِيْنَ، اَوْ فِي خَمْسِ يَبْقِيْنَ اَوْ فِي ثَلَاثٍ اَوْ اٰخِرَ لَيْلَةٍ﴾ [ترمذی، کتاب الصوم، باب لیلۃ القدر، رقم: ۷۹۴ وقال هذا حديث

[حسن صحیح]

”جب نو، سات، پانچ یا تین یا آخری رات باقی رہ جائے تو اسے تلاش کرو۔“

سیدنا ابوبکر رمضان کی پہلی بیس راتوں میں عام دنوں کی طرح (معمول کے مطابق) نماز پڑھتے۔ لیکن جب آخری عشرہ شروع ہوتا تو عبادت میں خوب محنت کرتے۔

معلوم ہوا کہ ماہ رمضان کے آخری عشرہ کی پانچ طاق (۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹) راتوں میں سے کوئی ایک رات قدر والی ہے۔ ان مختلف احادیث کی بنا پر کسی ایک رات کو تعین نہیں کیا جاسکتا۔ عین ممکن ہے کہ یہ ان پانچ طاق راتوں میں ہر سال پھر پھر آتی ہو۔

حافظ ابن حجر نے اس رات کی تعیین کے متعلق ۴۶ مختلف اقوال بیان کیے ہیں پھر آخر میں اپنا فاضلانہ فیصلہ ان الفاظ میں دیتے ہیں:

وارجحها کلھا انھا فی وتر من العشر الاخیر وانھا تنتقل کما یفہم من احادیث الباب -

[فتح الباری: ۴ / ۳۳۸]

”ان سب اقوال میں میرے نزدیک رائج یہ ہے کہ یہ شب مبارک رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں ہوتی ہے اور یہ ہر سال منتقل ہوتی رہتی ہے۔ جیسا کہ باب کی احادیث سے عیاں ہے۔“

بہر حال ماہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات قدر والی ہے جس کی تعیین نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے ہمیں ان پانچوں راتوں میں ہی خوب عبادت کرنی چاہیے تاکہ اس کی فضیلت حاصل کی جاسکے۔

شب قدر کی دعا: رسول اللہ ﷺ نے شب قدر کی عظمت و فضیلت کے باعث اس رات کے لیے اپنی امت کو ایک نہایت ہی جامع و مانع دعا سکھلائی۔ گو اس رات بھی آدمی حسب معمول جو دعا چاہے مانگ سکتا ہے تاہم اس رات کی جو خاص دعا ہے اسے ضرور مانگنا چاہیے اور وہ دعا یہ ہے:

«اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ»

[ترمذی، کتاب الدعوات، رقم: ۳۵۱۳۔ وقال: حدیث]

[حسن صحیح]

”اے اللہ! بے شک آپ معاف کرنے والے، کرم فرمانے والے ہیں معافی کو پسند فرماتے ہیں لہذا مجھے معاف فرمادیں۔“

صدقہ فطر: صدقہ فطر کو زکوٰۃ فطر، زکوٰۃ صوم، زکوٰۃ رمضان، صدقہ رمضان اور صدقہ صوم بھی کہا جاتا ہے۔ اس سے مراد وہ صدقہ ہے جو ماہ رمضان کے اختتام پر روزوں کے مکمل ہونے کی خوشی اور ان میں ہو جانے والی کمی کو تاہی کے پیش نظر دیا جاتا ہے تاکہ یہ گناہوں کا کفارہ بن جائے اور محتاجوں کے لیے عید کی خوشیوں میں شمولیت کا ذریعہ بن جائے۔

رائج یہی ہے کہ صدقہ فطر جس خوراک میں سے ایک صالح مرد، عورت، چھوٹے بڑے، آزاد غلام ہر مسلمان پر فرض ہے۔ چنانچہ سیدنا ابن عمر بیان کرتے ہیں:

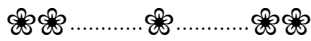
ان رسول اللہ ﷺ فرض زکاة الفطر من رمضان علی الناس صاعا من تمر او صاعا من شعیر علی کل حر او عبد ذکر او انثی من المسلمین - [مسلم، کتاب الزکاة، باب زکاة الفطر علی المسلمین، رقم: ۹۸۴]

”رسول اللہ ﷺ نے رمضان کا صدقہ فطر ایک صاع کھجور یا جو آزاد، غلام، مرد، عورت ہر مسلمان پر فرض کیا ہے۔“ دوسری روایت میں یوں ہے:

فرض النبی ﷺ صدقة رمضان علی الحر والعبد والذکر والانثی صاعا من تمر او صاعا من شعیر -

[ایضاً]

”رسول اللہ ﷺ نے رمضان کا صدقہ ہر آزاد، غلام، مرد اور عورت پر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو کا فرض کیا ہے۔“ صدقہ فطر رمضان المبارک کے اختتام پر اور نماز عید کی ادائیگی سے پہلے پہلے ادا کر دینا چاہیے۔



ماہِ صفر اور اسلامی تاریخ

مولانا بارک اللہ صمصام (الہ آباد۔ قصور)

الْمُكْرِبِينَ [انفال: ۳۰] ﴿﴾ [ابن ہشام: ۱/ ۴۸۰]

”اور اس وقت کو یاد کرو جب کافر تمہارے بارے میں یہ سازش کر رہے تھے کہ تمہیں قید کر دیں یا قتل کر دیں یا پھر جلا وطن کر دیں.....“

آخر کار شیطان لعین کی پرزور تحریک پر قتل کا فیصلہ ہوا۔ جس کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے مندرجہ ذیل سرداروں کا انتخاب کیا گیا:

① ابو جہل بن ہشام، ② حکم بن عاص، ③ عقبہ بن ابی معیط، ④ نضر بن حارث، ⑤ امیہ بن خلف، ⑥ زمعہ بن اسود، ⑦ طیمہ بن عدی، ⑧ ابولہب، ⑨ ابی بن خلف، ⑩ نہبہ بن ججاج، ⑪ منبہ بن حجاج وغیرہ۔

سیرت ابن ہشام کے مطابق رسول اللہ ﷺ کو حضرت جبریل نے وحی کے ذریعے تمام سازش سے آگاہ فرمایا اور یہ حکم بھی سنایا کہ ”جس بستر پر ہمیشہ رات گزارتے ہیں، آج وہاں نہیں سوئیں گے۔“

[زاد المعاد: ۵۲/۲، ابن ہشام: ۱/ ۴۸۲]

صفر کا ہی مہینا تھا کہ آپ ﷺ نے دوپہر کے وقت سر ڈھانپے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دروازے پر دستک دی۔ (حالاں کہ آپ کبھی بھی اس وقت تشریف نہیں لاتے تھے) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سمجھ گئے کہ ضرور کوئی اہم معاملہ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے ماں باپ قربان ہوں کیسے آنا ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”الگ ہو جاؤ کوئی خفیہ بات کرنی ہے۔“ عرض کیا: یہاں اہل خانہ ہی ہیں، کوئی دوسرا نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”مجھے اللہ تعالیٰ نے ہجرت کا حکم فرمایا ہے۔“ میں نے عرض کیا کہ ”آپ ﷺ کے ساتھ مجھے بھی؟“ فرمایا: ”ہاں۔“ [بخاری، باب ہجرة النبي]

ہجرت کا سارا پروگرام ترتیب دیا گیا۔ سفر کے لوازمات کا انتظام

یوں تو سارے دن اور مہینے اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں۔ لیکن بعض دنوں اور مہینوں کو دوسروں پر فضیلت و فوقیت دی گئی ہے۔ اسی طرح بعض مہینوں اور ایام میں اسلامی تاریخ کے اہم واقعات ہوئے ہیں جن میں سے ایک ماہِ صفر بھی ہے۔

..... نبوت کے تیرہویں سال موسم حج میں مدینہ منورہ سے ستر سے زیادہ لوگ حج کی سعادت کے لیے مکہ مکرمہ آئے تو ایام تشریق کے درمیانے دن یعنی ۱۲ ذوالحجہ کو انھوں نے آنحضرت ﷺ کی بیعت کی، اسے ”بیعت عقبہ ثانیہ“ کہتے ہیں۔ بیعت عقبہ ثانیہ کی دفعات یہ تھیں:

- ①..... خوش حالی اور پریشانی ہر حال میں بات سنیں گے اور مانیں گے۔ ②..... تنگی اور خوش حالی میں مال خرچ کریں گے۔ ③..... بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔ ④..... اللہ کی راہ میں ہمیشہ تیار رہیں گے اور کسی ملامت کی پروا نہیں کریں گے۔

یہ تمام معاملات طے ہو گئے تو آپ ﷺ نے بیعت لی اور بارہ نقیب مقرر فرمائے۔ نو (۹) بنو خزرج سے اور تین (۳) بنو اوس سے۔ اسی موقع پر شیطان لعین نے معاہدے کا انکشاف کرتے ہوئے آواز بلند کی کہ ”اے خیمہ والو! محمد ﷺ کو دیکھو، وہ تمہارے خلاف کیا کر رہا ہے!“ خبر سننے ہی کفار سیخ پا ہو گئے اور آپ ﷺ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد مخالفت میں سازشوں کا طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ اسی سلسلے میں صفر ۱۳ نبوی کو دارالندوہ میں ایک اجلاس بلایا گیا جس میں ہر کافر نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا۔ جس کا ذکر قرآن پاک میں یوں فرمایا گیا:

﴿وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرٌ

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بڑے جوش و خروش سے کیا۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب شام کا اندھیرا چھا گیا تو کفار مکہ گھات لگا کر آپ ﷺ کے دروازے پر بیٹھ گئے تاکہ جب آپ ﷺ سو جائیں تو سارے ٹوٹ پڑیں۔ ان لوگوں کو مکمل یقین تھا کہ ان کی سازش کامیاب ہو کر رہے گی۔ اسی لیے ابو جہل نے بڑے متکبرانہ انداز میں کہا کہ یہ محمد ﷺ کہتا تھا کہ تم مجھے مان لو اور عرب و عجم کے مالک بن جاؤ گے۔ پھر مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے اور تمہارے لیے اردن کے باغات جیسی جنتیں ہوں گی۔“ [الرحیق المختوم: ۲۳]

ادھر یہ پلاننگ ہو رہی تھی جب کہ عرش پر مستوی رب اپنے محبوب نبی کریم ﷺ کو کفار سے بچانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ جس کا بیان قرآن پاک میں اس طرح ہے:

﴿وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكْرِينَ﴾

”وہ کافر چالیں چلتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی چال چلتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب سے بہترین چال چلنے والا ہے۔“ [انفال: ۳۰]

حضور اکرم ﷺ نے ان نازک لمحات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم میرے بستر پر سبز حضری چادر اوڑھ کر سو جاؤ، تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ آپ ﷺ باہر تشریف لائے تو زبان مبارک پر قرآن مجید کے یہ کلمات تھے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا

فَأَعْيَيْنَهُمْ هُمْ لَا يُبْصِرُونَ﴾ [يسين: ۹]

آپ ﷺ کفار مکہ کے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے نکل گئے اور ۲۷ صفر کو آپ ﷺ غار ثور تک پہنچ گئے۔ [رحمۃ للعالمین: ۹۵/۱]

..... پہلی جنگی مہم بھی صفر (سنہ ۲ ہجری) میں ہوئی، جس کے لیے آپ ﷺ نے ستر مہاجرین کا ایک دستہ تیار فرمایا اور غزوہ ابواء یا وڈان کے لیے تشریف لے گئے۔ مدینہ منورہ کا انتظام و انصرام انصاری صحابی حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔ اس غزوہ کا مقصد قریش مکہ کے اُس تجارتی قافلے کو روکنا تھا جسے ابوسفیان لے کر گزر رہا تھا۔ آپ ﷺ کے میدان و دان تک تشریف لے جانے سے پہلے قافلہ گزر چکا تھا، اس لیے لڑائی کی نوبت نہ آئی۔ لیکن اس غزوہ کا فائدہ یہ ہوا کہ بنو

ضمہ کے سردار عمرو بن مخنفی ضمری سے حلیفانہ معاہدہ ہو گیا۔ جس کے الفاظ یہ تھے: ”یہ بنو ضمرہ کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کی تحریر ہے۔ یہ لوگ جان و مال کے بارے میں مامون رہیں گے۔ جو ان پر حملے کرے گا اس کے خلاف ان کی مدد کی جائے گی۔ سوائے اس کے کہ یہ خود دین اسلام کی مخالفت کریں۔ یہ معاہدہ اس وقت تک ہے جب تک سمندر ان کو تہمتا رہے گا۔ جب نبی کریم ﷺ ان کو اپنی مدد کے لیے بلائیں گے تو انھیں آنا ہوگا۔“ [المواہب اللدنیہ شرح زرقانی: ۵/۱]

..... صفر ۳ ہجری: غزوہ بدر واحد کے درمیانے عرصے میں آپ ﷺ نے سب سے بڑی فوجی مہم کا آغاز محرم میں فرمایا۔ اسے ذی امر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ بنو نعلبہ اور محارب قبائل مدینہ منورہ پر چھاپہ مار لڑائی کے لیے تیاری کر رہے تھے۔ جس کی اطلاع آپ ﷺ کو باوثوق ذرائع سے پہنچ رہی تھی۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو جنگ کی تیاری کا حکم فرمایا۔ ساڑھے چار سو صحابہ کرام ساتھ چلے اور مدینہ منورہ میں حضرت عثمان بن عفان کو اپنا جانشین بنایا۔ دوران سفر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بنو نعلبہ کے جبار نامی آدمی کو گرفتار کر کے اُسے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، آپ ﷺ نے اُسے دعوت اسلام دی جس کو قبول کرتے ہوئے وہ مسلمان ہوا اور اس ساری مہم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ضروری معلومات فراہم کرتا رہا۔ کفار کو آپ ﷺ کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ آپ ﷺ نے کفار کو مسلمانوں کی طاقت کا احساس دلانے کے لیے صفر کا مہینا وہیں گزارا اور پھر واپس تشریف لائے۔

[زاد المعاد: ۲/۹۱، ابن ہشام: ۴۶/۲، بحوالہ الرحیق المختوم]

..... صفر ۴ ہجری: ماہ صفر ۴ ہجری میں اسلامی تاریخ کا ایک بڑا حادثہ پیش آیا جسے حادثہ رجب کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ہوا یوں کہ آپ ﷺ کے پاس عضل اور قارۃ کے کچھ لوگ حاضر خدمت ہوئے۔ عرض کی کہ ہمارے اندر اسلام بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے۔ اس لیے کچھ مبلغ بھیجیں جو لوگوں کو قرآنی تعلیمات سکھائیں۔ صحیح بخاری کے مطابق آپ ﷺ نے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روانہ فرمایا اور حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔ (جو حضرت عاصم بن عمر بن خطاب کے نانا تھے) جب یہ قافلہ قبیلہ ہذیل کے مقام رجب پر پہنچا تو

عضل اور قارہ کی غداری پر بنو لحيان کے سوا دمیوں نے حملہ کر دیا۔ سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موقع پر شہید ہو گئے۔ باقی تین کو دھوکے سے گرفتار کر لیا۔ تینوں کو قیدی بنا کر ساتھ لے جانا چاہتے تھے مگر ایک نے انکار کر دیا جس کو شہید کر دیا گیا۔ باقی دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت خبیث بن عدی، حضرت زید بن دشہ کو قیدی بنالیا اور مکہ لے جا کر فروخت کر دیا گیا تاکہ اہل مکہ ان سے اپنے مقتولین کا بدلہ لے سکیں۔

ماہ صفر ۴ ہجری کو دوسرا بڑا سانحہ بزمعونہ کا پیش آیا۔ جو واقعہ رجب سے بھی زیادہ سنگین تھا۔

ابو براء عامر بن مالک نے عرض کیا کہ آپ ﷺ اہل نجد کے پاس کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیجیں تاکہ اسلام کی تبلیغ کریں۔ میں ان کو ہر طرح کا تحفظ اور امان دیتا ہوں کہ ان کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق نبی مکرم ﷺ نے ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بنو ساعدہ کے منذر بن عمرو کی امارت میں روانہ فرمایا اور آپ ﷺ نے ایک خط قافلہ میں موجود امّ سلیم کے بھائی حرام بن ملحان کو دیا جو اہل نجد کے سردار عامر بن طفیل کے نام تھا۔ جب یہ خط حاکم نجد کے حوالے کیا گیا تو اس نے خط نہ دیکھا بلکہ طے شدہ پروگرام کے مطابق اس کے ہر کارے نے پیچھے سے نخر/ نیزہ مارا تو حضرت حرام رضی اللہ عنہ کی زبان سے فزت وربّ الکعبہ (کعبہ کے رب کی قسم میں کامیاب ہو گیا) کے الفاظ نکلے۔

باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کرنے کے لیے عصیہ، ذکوان، رعل کے قبائل نے حملہ کر دیا۔ حملہ اتنا شدید تھا کہ ستر میں سے صرف دو صحابہ زندہ بچے۔ ایک شہداء کے لاشوں کے نیچے (جن کا نام حضرت زید بن کعب بن نجار تھا) دبے رہے۔ دوسرے حضرت عمرو بن امیہ ضمری تھے جو قبیلہ ضمر کے تھے ان کو قبیلہ عامر کے ساتھ قبائلی قربت کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا۔ آپ ﷺ کو بہت دکھ ہوا جس کی وجہ سے نماز فجر میں پورا مہینا ظالم قبائل کے لیے بدعا کرتے رہے۔ [بخاری شریف: ۵۸۶/۲]

..... صفر ۶ ہجری: غزوہ احزاب اور قریظہ کے بعد پہلے سریہ کے لیے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ انصاری کی امارت میں ۳۰ افراد کو روانہ کیا گیا۔ اسلامی دستے کی روانگی ۱۰ محرم الحرام کو ہوئی۔ بنو بکر بن

کلاب پر حملہ کیا گیا جس کے نتیجے میں دشمن دم دبا کر بھاگ گئے۔ مجاہدین وہاں سے حاصل ہونے والا مالی غنیمت، چوپائے اور بکریاں مدینہ منورہ لے آئے۔ اور جب یہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچا تو اس وقت صفر کے مہینہ کا آغاز ہو چکا تھا۔ واپسی پر بنو حنیفہ قبیلہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو پکڑ کر لائے جو مسیلمہ کذاب کے کہنے پر آپ ﷺ کو شہید کرنے نکلا تھا۔

[سیرت حلبیہ: ۲/۲۹۷، بحوالہ الرقیق المختوم]

ثمامہ بن اثال کو مسجد نبوی کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور پوچھا ثمامہ کیا حال ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ خیر ہے۔ اگر مجھے قتل کرو گے تو بدلہ لینے والے بدلہ لیں گے اگر احسان کرو گے تو احسان کا بدلہ دوں گا۔ اگر مال چاہتے ہو تو جتنا چاہتے ہو مانگ لو دے دوں گا۔ آپ ﷺ تشریف لے گئے۔ دوسرے دن پھر وہی سوال و جواب ہوئے۔ تیسرے دن بھی یہی معاملہ ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ثمامہ کو آزاد کر دو۔ آزاد ہو کر مدینہ سے باہر ایک باغ میں گئے۔ غسل کیا اور واپس آ کر اسلام قبول کر لیا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ آج سے پہلے روئے زمین پر میرے نزدیک آپ ﷺ کا چہرہ انتہائی مغبوض تھا لیکن اب پوری دنیا میں سب سے زیادہ آپ کا چہرہ پرانوار ہے۔ [زاد المعاد: ۲/۱۱۹، بحوالہ الرقیق المختوم]

..... صفر ۷ ہجری: صلح حدیبیہ کے بعد آپ ﷺ نے ذوالحجہ کا پورا مہینا اور محرم کے چند روز مدینہ طیبہ میں گزارے۔ باقی ماندہ ایام محرم الحرام خیبر کے لیے سفر میں گزارے۔ مفسرین کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ خیبر کے بارے میں اپنے پیغمبر ﷺ وعدہ کیا تھا:

﴿وَعَدَكُمْ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجِلْ لَكُمْ هَذِهِ...﴾
خیبر کی طرف روانگی کے بعد منافقین نے یہودیوں کی مدد کے لیے اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ راس المنافقین عبداللہ بن ابی نے یہود خیبر کو اسلامی لشکر کی تعداد، ساز و سامان اور جنگی معلومات بہم پہنچائیں۔ جس پر یہودیوں نے مسلمانوں کا قلع قمع کرنے کے لیے بنو غطفان قبیلہ کو مدد کے لیے ساتھ ملایا۔ اسلامی لشکر مسافت طے کرتا ہوا جب مقام رجب پر پہنچا جو بنو غطفان قبیلہ کے قریب ترین مقام تھا۔ بنو غطفان کے لوگ یہودیوں کی مدد کے لیے روانہ ہو چکے تھے۔ اسی اثنا میں انھیں اپنے

قبیلہ کی طرف سے شور و غل سنائی دیا۔ انھوں نے سمجھا کہ مسلمانوں نے ہمارے قبیلہ پر حملہ کر دیا ہے اس لیے بھاگ بھاگ اپنی بہتی میں پہنچے اور پھر دوبارہ اہل خیبر کی مدد کے لیے نہ نکل سکے۔

حضور اکرم ﷺ نے خیبر کے قریب پہنچ کر یہ دعا فرمائی:

اللهم رب السموات السبع وما اظللن ورب الارض السبع وما اقللن ورب الشياطين وما اضللن فاننا نسألك خير هذه القرية وخير اهلها وخير ما فيها ونعوذ بك من شهر هذه القرية وشر اهلها وشر ما فيها

اللہ رب العالمین نے صفر کے اندر غزوہ خیبر کو کامیابی سے ہمکنار فرمایا۔ [مخص از الرحیق المختوم]

سیرہ ابان بن سعید رضی اللہ عنہ:

آپ ﷺ اس بات سے اچھی طرح واقف تھے حرمت والے مہینوں کے بعد مدینہ مکمل طور پر خالی کر دینا تدبیر اور دور اندیشی کے بالکل خلاف ہے۔ اس لیے آپ ﷺ نے ابان بن سعید رضی اللہ عنہ کی کمان میں ایک دستہ تیار فرمایا جو ارد گرد کے بدوؤں، ڈاکہ اور راہ زنی کرنے والوں پر نظر رکھیں۔ جہاں کہیں سے خطرہ محسوس ہو حملہ کر دیں۔ ابان بن سعید اپنا فرض ادا کرتے کرتے خیبر پہنچ گئے اس وقت تک خیبر فتح ہو چکا تھا۔

اسی خیبر کی فتح کا مال غنیمت ابھی تقسیم ہونے والا تھا کہ حضرت جعفر طیارؓ ساتھیوں سمیت حبشہ سے ہجرت کر کے آئے اور آپ کو خیبر میں ملے۔ آپ نے انھیں بوسہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: واللہ میں نہیں جانتا کہ مجھے خوشی خیبر کی فتح کی ہے یا جعفر طیار کی آمد کی ہے۔ [زاد المعاد: ۴/۱۳۹ حوالہ سابقہ]

..... صفر ۸ ہجری: حضرت غالب بن عبد اللہ کی امارت میں ۲۰۰ آدمیوں کو علاقہ فدک کے اطراف میں بھیجا گیا۔ جہاں پر کافر فدک کے علاقے کو دوبارہ چھیننا چاہتے تھے۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دشمنوں پر اچانک حملہ کیا جو مقابلہ میں آئے قتل ہوئے۔ جانوروں کی صورت میں مال غنیمت لے کر سرخرو واپس لوٹے۔

..... صفر ۹ ہجری: حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو قبیلہ خثعم کی ایک شاخ تربعہ کے قریب تبالہ کے علاقہ میں بیس آدمیوں کے ساتھ

روانہ فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس دس اونٹ تھے باری باری سوار ہو جاتے۔ مسلمانوں نے ان باغیان خدا سے لڑائی کی۔ دونوں طرف سے کافی لوگ زخمی ہوئے۔ مسلمانوں کے ہاتھ بھڑ بکریوں کے علاوہ بال بچے بھی مال غنیمت میں آئے جو مدینہ پاک لا کر تقسیم ہوئے۔

جب اللہ تعالیٰ نے ﴿اذا جاء نصر الله والفتح﴾ نازل فرمائی تو مختلف علاقوں اور قبائل کی طرف وفد کا سلسلہ چلا۔ صفر ۹ ہجری میں وفد عذرہ نامی مدینہ طیبہ پہنچا جن کی تعداد بارہ تھی ان میں حمزہ بن نعمان بھی تھے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کون لوگ ہیں تو انھوں نے عرض کیا ہم بنو عذرہ ہیں قصی (آپ ﷺ کا جد امجد تھے) کے اخیانی بھائی ہیں۔ ہم نے ہی قصی کی تائید کی تھی خزاعہ اور بنو بکر کے قبائل کو مکہ سے ہم نے ہی نکالا تھا۔ یہاں ہمارے رشتہ دار اور قرابت داریاں ہیں۔ اس پر نبی ﷺ نے خوش آمدید کہا اور ملک شام کی فتح کی بشارت سنائی۔ انھیں خاص طور پر کاہن عورتوں سے بچنے کی تلقین فرمائی اور غیر اللہ کے نام ذبحہ کرنے سے منع فرمایا۔ انھوں نے اسلام قبول کیا اور ماہ صفر میں ہی واپس سفر کر گئے۔

..... صفر ۱۱ ہجری: اوائل صفر ۱۱ ہجری کو آپ ﷺ دامن احد تشریف لے گئے اور شہداء احد کے لیے اس طرح دعا فرمائی گویا آپ ﷺ زندوں اور مردوں سے رخصت ہو رہے ہیں۔ مدینہ واپس تشریف لائے تو منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا:

میں تمہارا امیر کارواں ہوں اور تم پر گواہ ہوں۔ بخدا میں اس وقت اپنا حوض کوثر دیکھ رہا ہوں۔ مجھے زمین اور اس کے خزانوں کی چابیاں دے دی گئی ہیں۔ اور مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک کرو گے بلکہ اندیشہ یہ ہے کہ دنیا طلبی میں باہم مقابلہ کرو گے۔ [بخاری، ج ۲: ص ۵۸۵] ماہ صفر کی ہی ایک رات تھی کہ آپ ﷺ آدھی رات بقیع تشریف لے گئے اور اہل بقیع کے لیے دعا فرمائی۔ ۲۹ صفر ۱۱ ہجری بروز سوموار آپ ﷺ ایک جنازہ میں شرکت کے لیے بقیع قبرستان تشریف لے گئے۔ واپسی پر در و سر شروع ہو گیا، حرارت اتنی تیز ہوئی کہ سر پر پٹی بندھی ہوئی سے بھی محسوس ہوتی۔ آپ ﷺ نے اسی حالت میں گیارہ دن نماز پڑھائی۔ صلی اللہ علیہ والہ وسلم



ویلنٹائن ڈے ایک غیر اسلامی تہوار

حافظ سلیمان اولکھ، معلم جامعہ اسلامیہ صادق آباد

والصلاة والسلام على رسوله اما بعد اعوذ بالله من

الشیطان الرجیم . بسم الله الرحمن الرحيم

دین اسلام جب سے معرض وجود میں آیا اس وقت سے لے کر اب تک اس کے خلاف مسلسل سازشوں کا بازار گرم رکھا گیا۔ کبھی خود ساختہ نبوتوں کے حوالے سے اور کبھی فلسفیانہ مویشی گانیوں کے نام پر۔ آج کے دور میں اسلام دشمنوں نے مسلمانوں کے خلاف نئی نئی سازشیں اختیار کی ہیں ان میں سے ایک بڑی اور مرکزی سازش ہے کہ ان کی تہذیب و تمدن اور کلچر و ثقافت کو تبدیل کر کے اسے روشن خیالی کا نام دیتے ہیں۔ یاد رکھیں! قومیں اور تہذیبیں اپنے تشخص اور طور طریقے سے زندہ رہا کرتی ہیں جب کوئی قوم اپنے تشخص سے ہاتھ دھو بیٹھے تو اسے ماضی کا حصہ بننے میں دیر نہیں لگتی۔

حقیقت یہ ہے کہ جس نے مسلمان نوجوانوں کے جذبات اور احساسات کو بدل کر رکھ دیا اور مسلمان اپنی تہذیب و کلچر و تہوار اور اس طرح اپنے طور طریقوں کو چھوڑ کر کفار کے تہواروں کے دلدادہ بن گئے انہی تہواروں میں سے ایک ویلنٹائن ڈے ہے۔

قبل اس کے کہ اس کی شرعی حیثیت بیان کروں اس کی تاریخ کے بارے آگاہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ تاریخ کی مختلف کتابوں میں اس واقعہ کو مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ حوالے کے لیے اٹھائیے یورپ کا تیار کردہ دنیا کا سب سے بڑا ویکی انسائیکلو پیڈیا اس میں انھوں نے لکھا ہے کہ دوسری صدی عیسوی میں روم کے بادشاہ نے فوج میں کمی کے باعث نئی بھرتیوں کا حکم دیا تو لوگ فوج میں جانے سے بچنے کے لیے شادی بیاہ میں مصروف ہو گئے۔ تو حاکم وقت نے اس کا حل یہ نکالا کہ شادی کرنے پر پابندی عائد کر دی۔

ویلنٹائن نامی پادری نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا جس کے مقابلے میں اسے جیل بھیج دیا گیا۔ جہاں اس نے جیلر کی بیٹی سے ناجائز تعلقات قائم کر لیے، اس کو محبت بھرے مختلف خطوط لکھے۔ اس عشق کی بناء پر ۱۶ فروری کو اسے پھانسی پر لٹکایا گیا۔ اگلے برس ویلنٹائن کی برسی کے موقع پر چند نوجوان جمع ہوئے اور انھوں نے اس دن کو ویلنٹائن ڈے کے نام سے منانے کا اعلان کیا۔

آج کا مسلمان اس دن کو محبت کے دن کے طور پر یورپ کی نقالی کرتے ہوئے مناتا ہے۔ اپنے کلچر اپنی ثقافت و تہذیب اپنے اخلاقیات اور اپنی اسلامی تعلیمات کو دیوار پر دے مارتا ہے۔ اور بے حیائی کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر اخلاقیات کی تمام حدود کو توڑتے ہوئے غیر محرم عورتوں کو محبت بھرے خطوط، پیغام، ایس ایم ایس اور پھولوں کے تحائف پیش کرتا ہے اور پھر اس ساری بے شرمی، بے حیائی اور بے غیرتی کو محبت بھرے جذبات کا نام دیا جاتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ محبت بھرے جذبات نہیں بلکہ ہوس ناکی اور آزادانہ میل جول کا ایک طریقہ ہے۔ یہ محبت بھرے جذبات نہیں بلکہ یہ تو مرد و دوزن کے جسموں کا ملاپ اور زنا کاری کا ایک راستہ ہے جو کہ شریعت اسلامیہ کے بالکل مخالف ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ولا تقربوا الزنا انه كان فاحشة وساء سبيلا﴾

”خبردار زنا کے قریب بھی نہ پھٹکنا، کیوں کہ وہ بڑی بے حیائی

ہے اور بہت بری راہ ہے۔“ [اسرائیل: ۳۱]

محترم قارئین! یہ ایسی گندی اخلاقیات سے آلودہ تہذیب ہے کہ جس کو متعصب ہندو بال ٹھا کرے بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اس نے کچھ عرصہ قبل اخبار کے ذریعہ سے اعلان کروایا کہ ویلنٹائن ڈے

ایک عیسائی تہوار ہے اور ہندو ثقافت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ تعلیمات اسلامیہ ایسی خرافات سے خالی ہے۔ مسلمان تو مسلمان غیر مسلم بھی اس کے معترف ہیں۔ چنانچہ غیر مسلم اسکالر الفریڈ گیلیم اپنی کتاب اسلام مائی چوائس (Islam My Choice) میں لکھتا ہے کہ اسلام تہواروں اور میلوں کا مذہب نہیں ہے۔ آگے مزید لکھا ہے کہ ایسے حیاء سوز اور اخلاق سے گئے تہواروں کے لیے اسلام میں کسی قسم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

صدحیف ہے ایسے نام نہاد مسلمانوں پر کہ جو اسلامی تعلیمات کے برعکس مسلمانوں میں ایسی خرافات کو داخل کرتے ہیں۔ ایک غیر مسلم تو اسلام کو ایسے تہواروں سے پاک و مبرا ٹھہرائے، لیکن اسلام کا نام لینے والا ان تہواروں کا فاعل بھی ہے اور اپنے اسلام میں ایسی خرافات کو جگہ بھی دے۔ یقیناً یہ بہت بڑا المیہ ہے۔ ہر کلمہ گو مسلمان کو تدبر و تفکر کرنا چاہیے کہ وہ زندگی کی جس شاہراہ پر گامزن ہے وہ کیسی ہے۔ جب ہم اسلامی نصوص کی بناء پر دیکھیں گے تو ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ ایسے تمام تہوار حرام ہیں۔ کیوں کہ نبی مکرم و محترم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

«لیس منا من تشبه بغيرنا۔ لا تشبهوا باليهود ولا النصراني؛ فإن تسليم اليهود الاشارة بالأصابع، وإن تسليم النصراني الاشارة بالكف» [صحيح الجامع الصغير وزیادته: ۵۵۶/۲، رقم الحديث: ۵۴۳۴، صحيح الترغيب والترهيب: ۳۲/۳، رقم الحديث: ۲۷۲۳، مجمع البحرین فی زوائد المعجمين: ۲۶۷/۵، سلسلة الاحاديث الصحيحة: ۲۲۷/۵، رقم الحديث: ۲۱۹۴]

”غیروں کی مشابہت اختیار کرنے والا ہم میں سے نہیں۔ یہود و نصاریٰ کی مشابہت نہ کرو، یہودیوں کا سلام انگلیوں کے اشاروں کے ساتھ ہے اور عیسائیوں کا سلام ہتھیلی کے اشارے کے ساتھ ہے۔“

دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا:

«لیس منا من عمل بسنة غيرنا» [صحيح الجامع الصغير وزیادته: ۹۵۷/۲، رقم الحديث: ۵۴۳۹]

”غیروں کے طریقوں پر عمل کرنے والا ہم میں سے نہیں۔“

ایک اور مقام پر یوں ارشاد فرمایا:

«من تشبه بقوم فهو منهم»
”جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ بھی ان ہی میں سے ہوگا۔“ [بخاری مع فتح الباری: ۲۷۴/۱۰]

یعنی انجام اور سزا میں ان کے ساتھ برابر شریک ہوگا۔ یہ تہوار کتاب و سنت کے بالکل مخالف ہے کیوں کہ یہ بے غیرتی بے حیائی کا مظہر ہے جس کے پھیلانے والے کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے وعید بیان فرمائی ہے۔

«ان الذين يحبون ان تشيع الفاحشة في الذين امنوا لهم عذاب اليم في الدنيا والآخرة» [النور: ۱۸]

”جو لوگ مسلمانوں میں برائی پھیلانے کے آرزو مند رہتے ہیں ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔“

پھر ان تہواروں میں تبذیر یعنی فضول خرچی بھی پائی جاتی ہے۔ جس سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے منع فرمایا ہے:

«ولا تبذر تمذيرا ۝ ان المبذرين كانوا اخوان الشياطين وكان الشيطان لربه كفورا» [الاسراء]

”اسراف اور فضول خرچی سے بچو۔ بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکر ہے۔“

ایک اور مقام پر فرمایا کہ

«ان الله لا يحب المفسرين»
”بے شک اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔“

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

«ان الله لا يحب المعتدين»
”بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

برادران اسلام! وہ تہوار جو قرآن کی سینکڑوں آیات کے خلاف ہے جو نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرامین کی نافرمانی کا باعث بنے، وہ تہوار جو غیرت و حمیت اسلامی کا جنازہ نکال دے ایسے تہواروں کے منانے کو روشن خیالی کا نام دینا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ لوگ شریعت اسلامیہ سے بالکل خالی ہیں۔ [باقی صفحہ نمبر ۳۱ پر]

فہرست کتب

۲۹۷ء ۳۲۲ مولانا محمد علی جانباز رحمۃ اللہ علیہ
 ج ۲۰۵ ح حرمت متعہ، ص: ۱۸۰، ناظم شعبہ نشر و اشاعت جامعہ
 ابراہیمیہ ناصر روڈ شہر سیالکوٹ
 ۲۹۷ء ۳۲۲ مولانا محمد جعفر شاہ پھولپوری
 ج ۳۷۵ ح چند از دواچی مسائل، ص: ۱۰۰، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب
 روڈ لاہور ۱۹۷۲ء
 ۲۹۷ء ۳۲۲ محمد جعفر پھولپوری
 ج ۳۷۵ ح قرآنی قانون طلاق، ص: ۸۸، ادارہ معارف الحق کراچی
 ۲۹۷ء ۳۲۲ محمد قاسم خواجہ
 خ ۸۰۳ ت تین طلاقیں، ص: ۷۶، مکتبہ احیاء السنہ گرجا کھ گوجرانوالہ۔
 س، ن
 ۲۹۷ء ۳۲۲ ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی
 د ۳۱۲ ح حکم طلاق الثلاث، ص: ۳۶، مکتبہ دارالرحمانیہ جامع مسجد
 رحمانیہ بوہرہ پیر کراچی
 ۲۹۷ء ۳۲۲ محمد اسماعیل ثاقب
 ش ۴۱ ل ایک مجلس کی تین طلاق علمائے احناف کی نظر میں، ص: ۲۶
 دارالحدیث رحمانیہ چونگی ملتان
 ۲۹۷ء ۳۲۲ ابو محمد بدیع الدین الراشدی
 ر ۲۸ ش شرعی طلاق، ص: ۳۰، مکتبہ السنۃ الدار السلفیہ للنشر التراث
 الاسلامی کراچی ۱۹۹۴ء
 ۲۹۷ء ۳۲۲ مولانا عبدالغفار حسن رحمانی
 ر ۵۱۴ خ خطبہ نکاح کی تشریح اور مسلمان خواتین کا اعزاز و احترام،
 ص: ۲۴، حسن بک ڈپو فیصل آباد
 ۲۹۷ء ۳۲۲ محمد رئیس ندوی
 ر ۹۳ ن نفقہ مطلقہ، ص: ۴۸، ادارۃ الحجوث الاسلامیہ جامعہ سلفیہ
 بنارس
 ۲۹۷ء ۳۲۲ السید سابق مصری، مترجم: حافظ محمد اسلم شاہدروی
 س ۱۱۲ خ خاندانی نظام، ص: ۴۸۰، حدیبیہ پبلی کیشنز اردو بازار
 لاہور۔ س، ن

۲۹۷ء ۳۲۲ مولانا اشرف علی تھانوی
 (۴۵۵ ل) اصلاح انقلاب امت، ج: ۲، ادارۃ المعارف کراچی ۱۲
 ۲۹۷ء ۳۲۲ صدر الدین اصلاحی
 (۵۱۸ ن) نکاح کے اسلامی قوانین، ص: ۱۰۱، نفیس اکیڈمی کراچی
 جنوری ۱۹۸۵ء
 ۲۹۷ء ۳۲۲ اشرف علی تھانوی
 (۵۵۵ ح) الحلیۃ الناجزۃ للحلیۃ العاززۃ، ص: ۳۲۰، محمد سعید اینڈ سنز
 تاجران کتب قرآن محل کراچی نمبر ۱
 ۲۹۷ء ۳۲۲ اسلامک ریسرچ سنٹر
 (۴۰۳ م) مجموعہ مقالات علمیہ دربارہ ایک مجلس کی تین طلاق،
 ص: ۴۳۷
 ۱۔ نعمانی کتب خانہ اردو بازار لاہور
 ۲۔ جمعیت اہل حدیث لاہور شہر
 ۲۹۷ء ۳۲۲ عبداللہ علی المحمود۔ مترجم: بدر الزمان نیپالی
 ب ۳۶۷ ل اسلامی خاندان، ص: ۹۶، جامعۃ التوحید بجوایمپال ۱۹۹۴ء
 ۲۹۷ء ۳۲۲ مولانا محمد علی جانباز رحمۃ اللہ علیہ
 ج ۲۰۵ ل احکام نکاح، ص: ۱۷۸، مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور
 ۲۰۰۵ء
 ۲۹۷ء ۳۲۲ مولانا محمد علی جانباز رحمۃ اللہ علیہ
 ج ۲۰۵ ل احکام طلاق، ص: ۴۰۸، مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور
 ۲۰۰۴ء
 ۲۹۷ء ۳۲۲ مولانا محمد علی جانباز رحمۃ اللہ علیہ
 ج ۲۰۵ ل احکام عدت، ص: ۵۳، ادارہ جامعہ رحمانیہ ناصر روڈ
 سیالکوٹ ۲۰۰۲ء

۲۹۷ء ۳۲۲ محمد سلیمان میرٹھی
س ۸۹ ت تین طلاق اور نئے مجتہدین کا واقعاتی جائزہ، ص: ۶۴،
انصار السنہ کلکتہ میرٹھ ۱۹۹۷ء
۲۹۷ء ۳۲۲ محمد سلیمان میرٹھی
س ۸۹ ط طلاق قرآن و سنت کی روشنی میں، ص: ۱۶، انصار السنہ کلکتہ
۲۹۷ء ۳۲۲ محمد سلیمان میرٹھی
س ۸۹ ل ایک مجلس کی تین طلاق قرآن و حدیث کی روشنی میں،
ص: ۱۹۲، انصار السنہ کلکتہ ۱۹۸۶ء
۲۹۷ء ۳۲۲ مولانا شمس تبریز خان
ش ۶۷ م مسلم پرسنل لاء اور اسلامی کا عائلی نظام، ص: ۲۸۶، مجلس
نشریات اسلام ناظم آباد کراچی
۲۹۷ء ۳۲۲ محمد شفیع الخطیب
ش ۵۸ م مسئلہ طلاق ثلاثہ ۳۸
۲۹۷ء ۳۲۲ مولانا محمد شہاب الدین ندوی
ش ۸۱ ل اسلام کا قانون طلاق، ص: ۱۴۳، المکتبہ الاشرفیہ جامعہ
اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور ۱۹۸۸ء
۲۹۷ء ۳۲۲ ابوالسلام محمد صدیق
ص ۵۱ ح حکم الطلاق الثلاثہ فی مجلس واحد علی ضوء الکتاب والسنہ مع
جواب فیض المستغاث، ص: ۸۰، ادارہ احیاء السنہ النبویہ
سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا
۲۹۷ء ۳۲۲ محمد عمیر الصدیق ندوی
ص ۵۱ م مطلقہ عورت کا نان نفقہ اور سپریم کورٹ کا فیصلہ، ص: ۹۲،
دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ
۲۹۷ء ۳۲۲ محمد علی عرف صوفی
ص ۹۲ ب کتاب بیت الحرام، ص: ۴۴، میرا میر بخش فیجر کربئی
پریس لاہور
۲۹۷ء ۳۲۲ مولانا محمد ظفر الدین
ظ ۴۱۸ ل اسلام کا نظام عفت و عصمت، ص: ۳۹۷، مکتبہ نذیریہ
لاہور۔ س، ن

۲۹۷ء ۳۲۲ مولانا عبدالرحمن کیلانی رحمہ اللہ
ع ۳۴ ل ایک مجلس کی تین طلاقیں اور ان کا شرعی حل، ص: ۱۱۰، مکتبہ
السلام و سن پورہ لاہور ۲۰۰۴ء
ع ۳۴ ن نئی نسل کی گردن پرنگی تلوار فتنہ جہیز، ص: ۱۶۸، فینس بکس
اردو بازار لاہور
۲۹۷ء ۳۲۲ عبدالستار گوندل
ع ۳۷ ل اسلام عورت کے لیے باعث رحمت ہے، ص: ۳۲،
عبدالواحد امین پور بازار فیصل آباد
۲۹۷ء ۳۲۲ عبداللہ دانش
ع ۸۵ ش شادی اسلام کی نظر میں، ص: ۶۴، مدرسہ تجوید القرآن
رحمانیہ اسلامیہ پارک لاہور
۲۹۷ء ۳۲۲ محمد صفدر عثمانی
ع ۶۳ ط طلاق ثلاثہ و حلالہ ایک تحقیقی جائزہ، ص: ۶۴، ادارہ
تحقیقات عثمانیہ اہل حدیث اعوان چوک گوجراں والا
۲۹۷ء ۳۲۲ ام عبدغنیب
ع ۵۳۶ ن نکاح میں ولی کی حیثیت، ص: ۱۰۱، مشربہ علم و حکمت ندیم
ٹاؤن لاہور ۱۴۲۹ھ
۲۹۷ء ۳۲۲ ابو معاویہ حافظ عبدالغفور
ع ۴۵ ل البیان المحکم بجواب ایک مجلس کی تین طلاق کا شرعی حکم،
ص: ۹۶، اہل حدیث یوتھ فورس ضلع سرگودھا مارچ ۲۰۰۸ء
۲۹۷ء ۳۲۲ حافظ عمران ایوب لاہوری
ع ۹۴ ط طلاق کی کتاب، ص: ۲۵۵، فقہ الحدیث پبلیکیشنز لاہور
اکتوبر ۲۰۰۸ء
۲۹۷ء ۳۲۲ خاکسار عنایت اللہ اثری (مجموعہ ۳ کتب)
ع ۹۶ ف فیض الباری فی الحیض الجاری، ص: ۳۴، جامع اہل حدیث
جناب سٹریٹ گجرات ۱۹۶۹ء
۲۔ پیشگوئی غلام دربارہ لکھنؤ ام عنایت اللہ اثری
۳۔ جمع الحدیث قبل اللغات و بین ہذا و ہذہ مدۃ الممات
عنایت اللہ اثری

ایک نوجوان کے نام

ترے صوفے ہیں افرونگی ، ترے قالین ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی!
امارت کیا ، شکوہ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل؟
نہ زورِ حیدری تجھ میں نہ استغنائے سلمانی
نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیبِ حاضر کی سچی میں!
کہ پایا میں نے استغنا میں معراجِ مسلمانی!
عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں!
نہ ہو نو مید ، نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے
امیدِ مردِ مومن ہے خدا کے راز دانوں میں!
نہیں تیرا نشمین قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے ! بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں!